خطبات علم ودعوت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مرتب

محمد فرمان ندوی

(استاذ دارالعلوم، ندوۃ العلماء)

ناشر

مکتبہ فردوس، مکارم نگر لکھنؤ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

بارِ اوّل

۱۴۳۴ھ — ۲۰۱۳ء

نام کتاب	:	خطبات علم ودعوت
نام مصنف	:	مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
صفحات	:	۲۰۸
تعداد اشاعت	:	۰۰ ؛
طباعت	:	آفسیٹ انڈیا، لکھنؤ
قیمت	:	۱۱۰روپئے
باہتمام	:	عبداللہ مخدومی ندوی

ناشر

مکتبۂ فردوس مکارم نگر لکھنؤ

ملنے کے پتے

مکتبہ ندویہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ — مکتبہ الشباب ندوہ روڈ، لکھنؤ

مکتبہ احسان مکارم نگر، لکھنؤ — مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ

فہرست

مقدمہ: مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری	۱۱
پیش لفظ: صاحب خطبات مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۴
عرض مرتب	۱۷
قرآن کریم :ایک مکمل دستور حیات	
قرآن کا تعارف	۱۹
قرآن دائمی دستور العمل	۱۹
شریعت کے پانچ ستون	۲۰
ثقافت کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۲
اسلامی ثقافت کا مفہوم	۲۲
اسلامی ثقافت کی بنیاد	۲۳
قرآن کریم اور ہماری ذمہ داریاں	۲۴
قرآن کریم کی چند خصوصیات	۲۵
حامل قرآن کی مثال	۲۸
سیرت طیبہ ایک جامع نمونہ	
سیرت کے جلسوں کا مقصد	۲۹
اعمال صالحہ میں جذبۂ مسابقت	۳۰
امت مسلمہ اور دعوت دین	۳۲
عبادت کا صحیح طریقہ	۳۳

جنت کی قیمت جان و مال	۳۴
اللہ تعالیٰ کے احسانات اور ہمارا برتاؤ	۳۶
بعثت رسول ﷺ کا ایک اہم مقصد	۳۷
محبت رسول ﷺ کا تقاضا	۳۷
مکمل اسلام کا مطالبہ	۳۹
اسوۂ حسنہ سے جذباتی لگاؤ	۴۰
سیرت رسول امن و عافیت کا سرچشمہ	۴۱
معاشرہ کی تعمیر اسوۂ حسنہ کی روشنی میں	۴۱
دہشت گردی کے الزامات اور مسلمانانِ ہند	
نوجوان ملک کا قیمتی سرمایہ	۴۳
دہشت گردی معاشرہ کا رستا ناسور	۴۴
اسلام امن و سلامتی کا داعی	۴۴
دہشت گردی کا ازالہ ایک مذہبی فریضہ	۴۵
انسانی جان کی توہین شیطانی عمل	۴۶
مادیت پسندی اور اخلاقی قدروں کا زوال	
زمانہ کی خطرناکی	۴۷
تاریکی میں روشنی کی کرن	۴۸
مادیت کے سلسلہ میں مادی زاویۂ نگاہ	۴۸
جدید نافع کا نمونہ	۴۹
مادی تہذیب کی بے بضاعتی	۵۰
مادیت اور ہمارا نوجوان	۵۱

روشنی کا مینار	
خیر امت	۵۳
حفاظت کا ذمہ	۵۴
بالکل زیب نہیں دیتا	۵۴
بہت بڑا سوال	۵۴
وجود خطرہ میں ہے	۵۵
موقع کو غنیمت سمجھئے	۵۵
ادب اسلامی اہمیت وضرورت	
رابطہ ادب اسلامی کی تأسیس	۵۷
ادب کا آفاقی تصور	۵۹
رابطہ ادب کا انقلابی قدم	۵۹
تعمیری ادب کی ضرورت	۶۰
علم دین ایک نعمت الٰہی	
اسلام اور علم	۶۲
ہمارا فرض منصبی	۶۳
بنیادی تعلیم اور اس کی اہمیت	۶۵
تعلیم میں یکسوئی	۶۶
علم ترقی کی شاہ کلید	۶۶
تحصیل علم کے چند آداب	۶۸
اہل علم کی چند فضیلتیں	۶۹
علم ہی عمل سکھاتا ہے	۷۱

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا	
کامیابی کی مختلف شکلیں	۷۳
حضرت ابراہیم کی قربانی	۷۳
حضرت ابراہیم کی زندگی میں قربانیوں کا تسلسل	۷۶
انسانی زندگی مسلسل قربانیوں کا مجموعہ	۷۷
اصلاح معاشرہ: وقت کی ایک اہم ضرورت	
جلسہ کی حاضری باعث سعادت	۷۹
عہد جاہلی میں دنیا کی حالت	۸۰
اسلام کا آفتاب ہدایت	۸۱
بنیادی امراض کا ازالہ	۸۲
قابل رشک معاشرہ	۸۳
مسائل کا وجود محض تعلیمات اسلام سے دوری کا نتیجہ	۸۴
تقرب الی اللہ کے دو راستے	۸۵
ایک قابل ذکر واقعہ	۸۷
عملی کردار ہی مؤثر طریقہ دعوت	۸۸
اصلاح معاشرہ وقت کی ضرورت	۸۸
ناجائز کاموں میں مسابقت کا جذبہ	۸۹
معاشرہ کی اصلاح فرد کی اصلاح پر منحصر	۹۰
محاسبہ اعمال خیر کی طرف بڑھنے میں اہم سبب	۹۱
طلباء کا مستقبل مقصد کی تعیین اور خود شناسی پر منحصر	
نعمت کی قدر	۹۳

طلباء کا اصل مقام	۹۴
مدارس کا اہم مرض	۹۴
طلبہ کے اندر غیر معمولی صلاحیتیں پنہاں ہیں	۹۵
مضمون نویسی کے اصول	۹۵
مدارس خیر وشر کے معیار مقرر کرتے ہیں	۹۶
مقصد کی تعیین ضروری	۹۶
مومن کے لئے چار بشارتیں	
دنیا آزمائش کی جگہ	۹۷
ایمان پر قائم رہنے کے انعامات	۹۸
مؤمن خوف وغم سے آزاد ہوتا ہے	۹۹
اہل ایمان کے اخروی انعامات	۱۰۰
مکمل اسلامی زندگی کی نمائندگی مطلوب ہے	۱۰۲
اپنی قدر و قیمت پہچانئے	
ضروری گذارش	۱۰۳
رضائے الٰہی کے لئے کام کیا جائے	۱۰۴
نیت کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے	۱۰۴
قرب خداوندی کیسے حاصل ہوتا ہے	۱۰۴
مثالی شخصیت	۱۰۵
علم کی ضرورت	۱۰۶
مسئلہ بے نیتی کا ہے	۱۰۷
بے نیتی کو ختم کریں	۱۰۷

متعدد ثواب	۱۰۷
آپ بھی یہ سب نیتیں کریں	۱۰۸
الاصلاح کے ہال کے اہم کتبات	۱۰۸
قدردانی کریں	۱۰۹
ان کتبات کو المعہد میں لگوائیں	۱۱۰
شریعت اسلامیہ پر عمل ہی کامیابی کا واحد راستہ	
دین کے دائرہ کو محدود کرنے کی کوشش	۱۱۱
ظالم کون؟	۱۱۲
مدارس کی ضرورت بہرحال باقی ہے	۱۱۲
مغربی تہذیب سے بےزاری	۱۱۴
مسلمان تمام حالات میں شریعت پر عمل کرنے کے مکلّف ہیں	۱۱۴
شریعت کا مطالبہ	۱۱۶
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت	۱۱۷
مسجدوں کو آباد کیجئے	
ایمان والے ہی مسجدوں کو آباد کرتے ہیں	۱۲۰
تعمیر مسجد کے دو مفہوم	۱۲۱
آخرت پر ایمان اخلاص پیدا کرتا ہے	۱۲۱
خطبہ جمعہ کو غور سے سننا بھی عبادت	۱۲۱
مسجدوں کو آباد کرنے والے خوف اور غم سے خالی ہوتے ہیں	۱۲۲
اللہ کی عبادت رزق کی ضامن ہے	۱۲۲
مسجدیں مقصد حیات کو متعین کرتی ہیں	۱۲۳

اللہ کو اپنے ہر بندے سے بے پناہ محبت ہے	۱۲۴
مسجدیں توحید کا مرکز ہیں	۱۲۴
دعوت دین اور اس کے لازمی شرائط	
اللہ تعالیٰ کے نمایاں تین احسانات	۱۲۵
دعوت کا راستہ ہی صراط مستقیم ہے	۱۲۶
ایک صحابی کا جائزہ اور محاسبہ	۱۲۸
کبر و غرور کی ہلاکت خیزی	۱۲۸
حضرت تھانویؒ کی فراست	۱۲۹
تکبر تمام برائیوں کی جڑ	۱۳۰
دعوت کا کام کرنے والوں کے لئے ایک بنیادی شرط	۱۳۰
جنت حاصل کرنے کے آسان اعمال	
ایک اہم سوال	۱۳۱
اللہ کا رنگ نفع بخش رنگ ہے	۱۳۴
سیرت رسول ہر عصر کے لئے بہترین نمونہ	۱۳۶
اسلام کا اظہار بھی ایک دینی فریضہ	۱۳۷
دین پر استقامت اخروی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ	۱۳۸
علمی و اصلاحی نشریات	
مجاہد آزادی مولانا احمد اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۲
شب قدر اور اس کی افادیت	۱۴۸
مشعل نور: جہد و عمل	۱۵۴
خیر و برکت کا حقیقی تصور رمضان المبارک کے تناظر میں!	۱۵۸

عید قرباں اور سنت ابراہیمی	۱۶۳
وقت کے اہم تقاضے، عمل اور ایثار کی ضرورت	۱۶۸
صبر کی اہمیت	۱۷۳
عیدالاضحیٰ اور سنت ابراہیمی	۱۷۷
میرا پیغام، محبت ہے، جہاں تک پہونچے	۱۸۱
عیدالاضحیٰ: محور اور مقصد	۱۸۷
اسلامی بیداری	۱۹۱
اسلام ایک ٹھوس حقیقت ہے	۱۹۳
اسلام کے بنیادی عقائد اور زندگی میں ان کا کردار	۱۹۵
اسلام ایک ہمہ گیر مذہب اور کردار سازی میں اس کا مقام	۱۹۷
اسلام ایک متوازن طریقۂ زندگی ہے	۱۹۹
خدا کی عبادت اصل مقصد ہے	۲۰۱
اچھی بات کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا	۲۰۳
اچھی باتوں کی طرف بلانا اور برائیوں سے روکنا	۲۰۵
دعا	۲۰۷

مقدمہ

بقلم: جناب مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری
(عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

نحمده ونصلي على رسوله الكريم ، أما بعد !

پیش نظر کتاب ان تقاریر کا مجموعہ ہے جو استاذ گرامی قدر مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مدظلہ نے ادھر دو تین سال کے اندر مدارس کے طلباء واساتذہ کی نشستوں، اصلاح معاشرہ کے عوامی جلسوں، طلبہ کی علمی وادبی انجمنوں کی افتتاحی یا اختتامی تقاریب میں کی ہیں، اب انہیں "خطبات علم ودعوت" کے نام کتابی صورت میں جمع کیا جارہا ہے۔

استاذ محترم کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، ان کی تحریریں عربی اور اردو میں تقریباً ساٹھ سال سے بڑی پابندی سے علمی، دینی اور دعوتی حلقوں کے سامنے آرہی ہیں، عربی میں ان کے خطبات جمعہ تو خاص رنگ وآہنگ اور منفرد خصوصیت رکھتے ہیں، مجلّہ 'البعث الاسلامی'، پندرہ روزہ 'الرائد' کے علاوہ 'تعمیر حیات' میں تسلسل سے اداریئے اور مضامین لکھتے رہے ہیں، اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ (بارك الله في حياته)

اگر مولانا کی عربی اور اردو تحریروں کو جمع کردیا جائے، تو ہزاروں صفحات اور کئی جلدوں میں یہ مقالات آئیں گے، کچھ مجموعے اردو اور عربی میں شائع ہوکر مقبول بھی ہوچکے ہیں، پیش نظر مجموعہ سمندر میں قطرے کی حیثیت رکھتا ہے، ان تقریروں کا بڑا حصہ علماء، طلباء اور کچھ تقریریں اصلاح معاشرہ کے جلسوں میں کی گئی ہیں، دونوں قسم کے خطبات کا بنیادی

پیغام علماء اور طلبا کے لئے ہے: ''علم دین سے رشتہ ہمارا مضبوط و مستحکم ہو، اور عملی زندگی میں ہم اسلام کا نمونہ بنیں، قرآن کریم کو ہم دستور حیات اور سیرت نبوی کو نشان راہ بنائیں''۔ ''عام مسلمانوں سے مطالبہ ہے کہ وہ اپنی زندگی اسلامی سانچے میں ڈھالیں، معاشرہ کے غلط رسوم ورواج اور مغربی فکر وتہذیب اور اس کے فتنوں، خصوصا مادیت اور نفاق کی زندگی ترک کر کے پورے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں، اور ملک وملت کے لئے اپنی افادیت ثابت کریں''، ''طلباء اپنا مقصد متعین کر کے خود شناسی اور ایثار وقربانی کے ذریعہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو جائیں''۔

ان خطبات میں جو برجستہ تقریروں کا مجموعہ ہے، قرآن وسیرت نبوی کو محور بنا کر معاشرہ کی صحیح بنیادوں پر تعمیر کا طریقہ آسان وسادہ اسلوب میں بیان کیا گیا ہے، قرآن شریف اور احادیث نبویہ کی روشنی میں معاشرہ میں پھیلے ہوئے فتنے وفسادات اور عقائد واخلاق میں گہرائی تک پائی جانے والی خرابیوں کا بصیرت افروز تحلیل وتجزیہ، پھر ان سے بچنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے، مغربی فکر اور مشرکانہ ماحول اور حد سے بڑھی ہوئی مادیت کے مسلمان معاشرہ پر اثرات کا ہم مقابلہ کیسے کریں، یہ کتاب شرک وبدعات کے صحراء میں بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم چلنے کی مخلصانہ دعوت اور ایک دردمند دل کی صدا ہے۔

سولہ (۱۶) مرکزی عنوانات اور اسی (۸۰) سے زائد ذیلی مضامین کے تحت مقرر نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے کہ اس کے مخاطب علماء اور طلباء تھے، صاحب کتاب کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ وہ نوجوان نسل کے ذہن ومزاج، نفسیات اور تیزی سے بدلتے معاشرتی اور اخلاقی اور مادی قدروں کے نئی نسل پر گہرے اثرات سے خوب واقف ہیں، اس لئے کہ وہ نصف صدی سے زائد عرصہ سے تعلیم وتربیت سے وابستہ ہیں، ان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ خطبات جمعہ وعیدین کے ذریعہ عوام وخواص کی ذہنی سطح سے بھی نہ صرف واقفیت رکھتے ہیں، بلکہ مسلمانوں کے ہر طبقہ یہاں تک کہ غیر مسلموں سے بھی ان کے روابط ہیں، استاذ محترم کی ان برجستہ تقریروں کو پڑھنے والے ہمارے تجزیہ سے اتفاق کریں گے کہ عوام وخواص اور تعلیم

یافتہ طبقہ، خصوصا علماء اور طلباء کی رہنمائی کا اس مجموعہ میں خاصا مواد موجود ہے، تمام تقریریں "کلموا الناس علی قدر عقولهم" کا مصداق ہیں، خطبات علم ودعوت گویا علم کو دعوتی روح اور جذبہ سے سرشار ہو کر علم نافع بنانے کی دعوت ہے۔

ناچیز

نذر الحفیظ ندوی

دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲/۲۶ ۱۴۳۴ھ

۱/۰۹ ۲۰۱۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

صاحب خطبات مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
(مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين ، محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين ۔ أما بعد :

مجھے حضرات علمائے کرام کی تقریریں سننے اور ان کے جلسوں میں حاضری کا شوق بچپن ہی سے تھا، جامعہ مفتاح العلوم ضلع مئو میں جب میں ابتدائی درجوں میں زیر تعلیم تھا تو وہاں کے طلبہ کی انجمن اصلاح اللسان کے جلسوں میں اکثر شرکت کیا کرتا تھا، اور بعض دفعہ اپنی کم عمری کے باوجود کوئی حدیث یاد کر کے اس کا مطلب بصورت ''تقریر'' پیش کیا کرتا تھا، مگر واقعہ ہے کہ مجھے تقریر سے اتنی مناسبت نہیں پیدا ہو سکی، جتنی تحریر اور باہمی گفتگو سے محسوس ہوئی، ایک دفعہ اپنے محلہ کی مسجد میں ایک دینی جلسہ ہوا تو مجھ کو لوگوں نے تقریر کرنے پر مجبور کیا، اور مجبوراً کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ کا سہارا لے کر اپنی لاج رکھ لی، ایک حدیث یاد تھی اسی کو پڑھ کر مطلب بیان کرنے کی کوشش کی تھی۔

پھر جب ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ تخصص ادب میں داخلہ ہوا، اور دارالاقامہ شبلی میں قیام ہوا تو ہر جمعرات کو جمعیۃ الاصلاح کے جلسے میں شرکت کرنا ضروری قرار پایا اور اپنی بے مائیگی کے باوجود اعلان شدہ عنوان کے ماتحت کچھ نہ کچھ عرض کرنے کی جرأت کرتا تھا، پھر مرکز دعوت وتبلیغ کچہری روڈ (امین آباد، لکھنؤ) ہر اتوار کو وہاں کے درس قرآن میں شرکت کرنا اپنا معمول بنالیا، یہ درس قرآن ہمارے شیخ ومرشد حضرت مولانا علی میاں صاحب حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ دیا کرتے تھے، پورا مرکز نیچے سے اوپر تک بھرا رہتا تھا، لوگ نہایت

شوق اور دلچسپی سے درس میں شریک ہوتے، اور دینی فائدہ حاصل کرتے تھے، میں بھی حضرت مولانا کی باتیں سن کر فائدہ محسوس کرتا تھا، بلاشبہ آیات قرآنی کے جو مضامین وہاں بیان ہوتے تھے، وہ زندگی گذارنے کے صحیح منہج کا تعین کرتے تھے، اللہ تعالی کی حکمت وقدرت اور انسان وکائنات کے باہمی ربط اور کامیابی وسعادت کے واضح اور روشن راستے کی رہنمائی کرتے تھے، اسی کے ساتھ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تقریریں جہاں کہیں بھی اور لکھنؤ کے جس مقام پر ہوتیں وہ میرے لئے ایک مستقل درس کی حیثیت رکھتی تھیں، پھر ایسا بھی ہوا کہ لکھنؤ سے باہر کے سفروں میں حضرت مولانا کے ساتھ بحیثیت ایک خادم کے جانے کا موقع ملا، اور یہی دیکھا کہ مضمون کا تنوع، سننے والوں کی ذہنی حیثیت کے مطابق ہوا کرتا تھا، اور اس سے یہ سبق ملتا ہے، کہ بات کہاں اور کس انداز میں پیش کرنی چاہئے، موضوع کی مناسبت سے کتاب وسنت کی روشنی میں کون سا اسلوب اختیار کرنا چاہئے، شاید یہی وجہ ہے کہ مجھے خاص طور سے حضرت مولانا کی تقریریں سننے کے لئے جلسوں اور مناسب تقریبات کے منعقد ہونے کا انتظار رہا کرتا تھا۔

ان تمام باتوں سے میں نے حسب استعداد فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، اور وقت گذرنے کے ساتھ کبھی کبھار چھوٹے جلسوں میں مدعو ہوتا تھا، تو مجھے کچھ نہ کچھ عرض کرنا پڑتا تھا، گو وہ ایک غیر مرتب بیان ہوتا تھا، لیکن میں اس کے ذریعہ اپنے فرض سے سبکدوش ہوا کرتا تھا،، یہ سلسلہ جاری رہا، اور کچھ شُدبُد میں اضافہ ہوا، اور ادھر کچھ دنوں سے خاص طور سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اکثر سیمیناروں، کانفرنسوں وغیرہ کے جلسوں میں شریک ہونا پڑا۔

عالمی رابطہ ادب اسلامی کے سیمیناروں میں تحریری اور تقریری شرکتوں کے بہت اچھے مواقع ملے، مدارس اور دیگر مناسبات کے جلسوں میں بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوتی رہی، اور کئی بار حضرت الاستاذ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے حکم سے ندوہ کی نمائندگی کے لئے معزز ومقتدر علمائے کرام کی جماعت میں شریک ہو کر محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے

مناسب انداز سے بات کہنے اور اپنے خیالات پیش کرنے کی من جانب اللہ توفیق ہوئی، اور اپنے شیخ ومرشد حضرت علامہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کے افادات کی روشنی میں تقریر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، اور کوئی ایسی بات زبان سے نہیں نکلی، جو خلاف ادب یا خلاف واقعہ ہو، بعض جلسوں میں حضرت مولانا رحمہ اللہ کی موجودگی میں حکما کچھ عرض کرنے کا واقعہ بھی پیش آیا، اور حضرت کی طرف سے حوصلہ افزائی کے کلمات سننے کی عزت عطا ہوئی۔

حضرۃ العلامہ مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد مدارس اور جامعات وجمعیات کے جلسوں اور تقریبات میں شرکت کا تناسب پہلے سے زیادہ ہوگیا، اور متعدد بار ندوے کی نمائندگی کی سعادت میسر ہوئی، ماضی قریب کے کچھ ایسے ہی جلسوں اور دینی تقریبات میں کسی نے میرے ٹوٹے پھوٹے الفاظ و بیان کو ضبط کرلیا، اور ان کی رسائی مولانا محمد فرمان ندوی تک ہوگئی، انہوں نے اس کا اہتمام کیا، اور چند تقریریں اور بیانات کو نقل کرا کے اور ان کی جمع وتدوین کر کے ایک مجموعہ تیار کر دیا، اور مجھے دکھایا، اس سے پہلے مجھ کو اس کا علم نہیں تھا، ان کے اس مخلصانہ عمل، اور ان کی اس توجہ سے یہ ایک چھوٹی سی کتاب (کتابچہ) تیار ہو کر چھپ گئی۔

انہوں نے اس مختصر کتاب پر برادر مکرم جناب مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابھا دار العلوم ندوۃ العلماء، سے ایک وقیع مقدمہ لکھوا کر شامل کتاب کر دیا، میں مولانا کا بھی انتہائی شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس مختصر مجموعہ کی قیمت بڑھادی، فجزاهم الله خير الجزاء في الدنيا والآخرة۔

وما توفيقي الا بالله، وعليه توكلت واليه أنيب۔

راقم الحروف

سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

مدیر البعث الاسلامی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲۷ر صفر ۱۴۳۴ھ

۱۰ر جنوری ۲۰۱۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم أما بعد :

میرے لئے سعادت کی بات ہے کہ مخدوم گرامی قدر جناب مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ العالی (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے چند خطبات کا ایک مجموعہ قارئین کے سامنے پیش کروں، یہ خطبات مختلف مواقع کے ہیں، اسی وجہ سے ان میں تنوع پایا جاتا ہے، ماشاء اللہ خطبات میں پیش کردہ موضوع پر سیر حاصل بحث ہے، جو عوام وخواص کے لئے یکساں مفید ہے، ان خطبات کا ہر قاری اس بات کی ضرور گواہی دے گا کہ یہ ما قل ودل کا مصداق ہیں۔

خطبات کا فن کوئی نیا نہیں، بلکہ صدیوں قدیم ہے، تقریبا ہر متداول زبان میں خطباء کی خاصی تعداد موجود ہے، تاریخ عربی ادب کے تمام ادوار میں اس صنف کی بھرپور نمائندگی پائی جاتی ہے، اردو کا دامن بھی اس سے خالی نہیں، برصغیر ہندو پاک میں اردو زبان کے خطباء کی ایک بڑی تعداد تاریخ کا ایک اہم حصہ بن چکی ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے حسن تربیت نے ہر فن کے آفتاب وماہتاب پیدا کئے، پیام انسانیت، اصلاح معاشرہ کمیٹی، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، دینی تعلیمی کونسل، رابطہ عالم اسلامی اور ان گنت اداروں کے اسٹیج سے جو خطابات حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ہوئے، وہ جہاں ایک طرف دلوں میں جوش عمل پیدا کر رہے ہیں، وہیں دوسری طرف تحریری شکل میں مدون ہو کر تاریخ کا اہم ذخیرہ شمار کئے جا رہے ہیں، انہیں کی بافیض صحبت نے مخدوم گرامی کو عربی واردو کا ادیب اور جمعہ کا خطیب

بنایا، چنانچہ مخدوم گرامی قدر پورے وثوق کے ساتھ تعلیمات اسلام کو بیان کرتے ہیں، اور سامعین کو دینی وروحانی غذا پہنچاتے ہیں۔

پیش نظر مجموعہ مختصر سہی، لیکن جامع خطبات پر مشتمل ہے، یہ ان کی پہلی کڑی ہے، بتوفیق الٰہی یہ سلسلہ دراز ہوگا، وما ذلك على الله بعزيز۔

ازیں قبل حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء دامت برکاتہم کی خصوصی عنایت وتوجہ سے احقر نے ندوۃ العلماء کی دعوت پر امام حرم شیخ خالد بن علی غامدی حفظہ اللہ ورعاہ کے دورۂ لکھنؤ (مئی ۲۰۱۲ء) کے خطبات کو (بزبان عربی صور مشرقة للاسلام، اور بزبان اردو خطبات امام حرم ناشر دفتر نظامت ندوۃ العلماء، لکھنؤ) مرتب کیا تھا، اس مجموعہ کو بحمد اللہ بہت پذیرائی حاصل ہوئی، یہ دوسرا مجموعہ خطبات ہے جو بزبان اردو پیش کیا جارہا ہے، انشاء اللہ مخدوم گرامی حفظہ اللہ کے خطبات جمعہ جلد ہی منظر عام پر آئیں گے، دعا ہے اللہ تعالیٰ اس مجموعہ خطبات کو قبولیت سے سرفراز فرمائیں، اور افادۂ عام کا ذریعہ بنائیں۔

پروف کی تصحیح میں برادر مکرم مولانا عطاء الرحمٰن اعظمی ندوی (منیجر معہد الفردوس الرحمانی، دوبگا، لکھنؤ) کا گرانقدر تعاون رہا، ہم ان کے مشکور ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے۔

محمد فرمان ندوی

مدرس دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۴۳۳/۱۲/۱ھ مطابق ۲۰۱۲/۱۰/۱۷ء

قرآن کریم: ایک مکمل دستور حیات☆

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی محمد صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعھم باحسان ودعا بدعوتھم إلی یوم الدین. أما بعد:

قرآن کا تعارف

''یقیناً وہ قرآن کریم ہے، اور وہ ایک محفوظ کتاب میں موجود ہے، اس کو وہی لوگ ہاتھ لگا سکتے ہیں جو پوری طرح پاکیزہ ہوں''۔ (واقعہ: ۷۷-۷۹)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کے بارے میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے، اس لئے کہ قرآن کریم وہ کتاب ہے، جو زندگی، انسان اور کائنات سب کے لئے مشعل راہ ہے، بلکہ واقعہ ہے وہ مکمل آسمانی دستور ہے، جس کی روشنی میں رہ کر ہر انسان اپنے ماحول اور اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کو قابل رشک بنا سکتا ہے، اور انسانیت کا صحیح نمونہ پیش کر سکتا ہے، وہ اس کتاب عزیز کی ہدایات اور تعلیمات پر عمل کر کے اس عالم کو امن وسلامتی اور اطمینان وسکون کا گہوارہ نہایت آسانی کے ساتھ بنا کر ایک مثالی زندگی کا نمونہ پیش کرنے اور کائنات سے پوری طرح ہم آہنگ ہونے کے لئے صراط مستقیم کی رہنمائی کا فرض انجام دے سکتا ہے۔

قرآن دائمی دستور العمل

قرآن کریم اسی جیسی ایک زندگی کی تعمیر کی دعوت دیتا ہے، اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایک دائمی دستور عطا کرتا ہے، جو انسان کے پیدا ہونے سے لے کر اس کی موت تک اور موت کے بعد آنے والے تمام حالات پر مشتمل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس وسیع وعریض دنیا میں

☆ خطاب خاص بہ موقع بین الاقوامی قرآن مجید سیمینار حیدرآباد ۵-۸ فروری ۲۰۱۱ء زیر اہتمام المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد

بہترین زندگی گذارنے کے لئے مفصل تعلیمات سے بھرپور اپنی بیش قیمت اور عظیم کتاب قرآن کریم سے پوری دنیائے انسانیت کو نوازا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

الحمد للّٰه الذي أنزل على عبده الكتاب ولم يجعل له عوجاً o قيما لينذر بأسا شديدا من لدنه ، ويبشر المؤمنين الذين يعملون الصالحات أن لهم أجرا حسناً o ما كثين فيه أبدًاo (کہف:۱-۳)

''تمام حمد وشکر اس اللہ کے لئے جنہوں نے اپنے بندے محمد رسول اللہ ﷺ پر یہ کتاب نازل کی، اور اس میں کوئی شک نہیں، بہت واضح اور ٹھیک ہے، تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سخت پکڑ سے لوگوں کو ڈرائے، اور اہل ایمان کو خوشخبری سنائے، جو اچھائیاں اور اعمال صالحہ کرتے ہیں کہ ان کے لئے اچھا اجر ہے، جس میں ہمیشہ زندگی گذاریں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الم oذلك الكتاب لا ريب فيه o هدى للمتقينo الذين يؤمنون بالغيب ويقيمون الصلاة ومما رزقناهم ينفقون o والذين يؤمنون بما أنزل إليك وما أنزل من قبلك وبالآخرة هم يوقنون o أولئك على هدى من ربهم وأولئك هم المفلحونo (بقرہ:۱-۵)

اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل صحیح ہے کہ اللہ کی کتاب کے ذریعہ جو شریعت حاصل ہوئی ہے، اس کے پانچ بنیادی ستون ہیں۔

شریعت کے پانچ ستون

اس کی بنیادی خصوصیات میں پانچ چیزیں بہت واضح طریقہ سے سمجھ میں آتی ہیں:

(۱) یہ کتاب ہدایت ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کے خوف سے اور تقویٰ کی نعمت سے مزین ہوں۔ اس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۲) ایمان بالغیب جس کے بغیر اللہ تعالی کے بنائے ہوئے انسان کی زندگی مکمل نہیں ہوتی۔

(۳) اقامت صلاۃ

(۴) اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا (انفاق فی سبیل اللہ)۔

(۵) آخرت کا یقین۔

یہ دراصل اس شریعت کے مضبوط ستون ہیں، جن کے بغیر ایمانی زندگی کی عمارت تعمیر نہیں ہوسکتی اور اگر غور کیا جائے تو اس کے ذریعہ بہترین نتائج برآمد ہوتے ہیں، جیسے دینی حس، اخلاقی شعور اور ذمہ داری کا احساس جس کے ذریعہ نصح وخیر کا جذبہ، عمل صالح کا شوق اور اس کی فکر، اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت واطاعت میں فنائیت اور ساری دنیا کے سامنے ایک حیرت ناک انسانی نمونہ پیش کرنے کے لئے اسلامی شریعت سے روشنی حاصل کرنا اور ایک ایسی ممتاز امت بن کر ابھرنا، جس کو آسمان کی آنکھوں نے نہیں دیکھا تھا، اور نہ زمانہ کے کانوں نے اس امت وسط کے بارے میں کبھی کوئی تذکرہ سنا تھا، قرآن کریم نے اعلان کیا کہ: اے لوگو! آج ہم نے تمہارے دین کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا اور تمہیں پر یہ عظیم نعمت پوری کردی، اور اسلام کو ایک دین کامل کی حیثیت سے ہم نے پسند کرلیا، اور دین تو دراصل اسلام ہی ہے، اس اعلان کے بعد جو امت وجود میں آئی اس کو خیر امت کے نام سے پکارا گیا، جو ایمان کی تمام خصوصیات سے بہرہ ور تھی اور جس کا اصل مشغلہ یہ تھا کہ اچھائیوں کی دعوت دے اور برائیوں سے روکے، چنانچہ خیر امت کی اس جامعیت اور توازن کو ہر زمان مکان میں دیکھا گیا اور تا قیامت اس امت کا یہ امتیاز باقی رہے گا۔ اسی طرح قرآن کریم ایک پائدار اور انسانی مزاج سے ہم آہنگ زندگی کا طریقہ بتاتا ہے، اس کو ہم اسلامی تہذیب کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

ثقافت کے لغوی اور اصطلاحی معنی

ثقافت کے لغوی معنی مہارت اور بسرعت کسی بات کو سمجھ لینے کے ہیں، لیکن اصطلاح

میں ثقافت مختلف علوم وفنون اور آداب وافکار پر دسترس حاصل کرنے کا نام ہے، ہم اثنائے گفتگو اکثر یہ لفظ کسی شخص کی علمی اور تعلیمی وجاہت بیان کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ فلاں صاحب بہت اچھی ثقافت کے مالک ہیں، یعنی مختلف ضروری علوم وفنون اور آداب وافکار پر ان کی نظر بہت گہری اور ہمہ گیر ہے، ثقافت ایک بہت ہی خوبصورت وصف ہے، پڑھے لکھے وسیع النظر اور مہذب انسانوں کی تعریف عام طور سے اسی وصف سے کی جاتی ہے، اور اسلامی ثقافتی ماحول میں لوگ کسی کی تعریف میں مثقف کہنا بھی پسند کرتے ہیں۔

اسلامی ثقافت کا مفہوم

اسلامی ثقافت سے مراد ہے اسلامی علوم وفنون اور اسلامی آداب وافکار، اس تہذیب کا محور اسلام ہے اور اس کا اصل سرچشمہ کتاب وسنت ہے، اس سے علوم وفنون کے سوتے پھوٹتے ہیں، اور اسی سے صحت مند افکار وآداب کا تعین ہوتا ہے، جو لوگ اسلامی علوم وآداب پر پوری گہرائی کے ساتھ دسترس رکھتے ہیں اور اسلامی فکر پر ان کی نظر نہایت وسیع اور ہمہ گیر ہوتی ہے وہ اسلامی تہذیب کے نمائندے کہے جانے کا پورا حق رکھتے ہیں، ایک ایسے مسلمان عالم یا داعی کا جو دعوت اسلامی اور فکر اسلامی کی خدمت کرنا چاہتا ہو، اسلامی تہذیب وثقافت سے اس کا تعلق قریبی اور گہرا ہونا ضروری ہے، اور اسلامی علوم وفنون اور اسلامی افکار وآداب پر وہ مہارت بھی رکھتا ہو، اور اس کی اصالت اور اولویت کا قائل ہو، اور نہ صرف یہ کہ وہ اس میدان میں اسلام کا نمائندہ ہو بلکہ وہ دوسری مادی قوموں کے علوم وفنون اور افکار وآداب سے بھی واقف ہو اور ان پر نظر رکھتا ہو، اور وہ علم وثقافت کے قدیم وجدید حالات اور اس کے مضمرات اور نتائج سے بھی پوری طرح واقف ہو، کسی ایسے فاضل شخص کو ہم وسیع تر تہذیب وثقافت کا نمائندہ قرار دے سکتے ہیں، اور بلا تردد اس کے لئے مہذب ومثقف کی صفت استعمال کر سکتے ہیں۔

ایک مسلمان عالم اور داعی کے لئے ایمان واخلاق کی بنیاد پر زندگی کی عمارت

اٹھانے کے بعد علم وثقافت کے میدان میں امتیاز حاصل کرنا ضروری ہے تا کہ وہ اسلامی فکر کی نمائندگی کر سکے، وہ تمام مادی فکروں اور فلسفوں سے واقف ہو، وہ کائناتی علوم کے بارے میں بھی واقفیت رکھتا ہو، وہ مغربی طرز فکر اور مادی نقطۂ نظر کو بھی سمجھتا ہو اور اس کے زندگی پر پڑنے والے نقصان دہ اثرات سے غافل نہ ہو، وہ مادی علوم وافکار اور ثقافت کے نمائندوں سے بھی کسی حد تک باخبر ہو، اور اسلام کے لائے ہوئے اصول وعقائد سے اس کے ٹکراؤ کو بھی بخوبی جانتا ہو، اور یہ یقین رکھتا ہو کہ اسلامی نظام زندگی، اس کے فلسفۂ حیات وموت، اس کے بنیادی ارکان وعقائد کے مقابل میں مادی نظام زندگی اور اس کا فلسفہ بالکل متضاد کیفیت رکھتا ہے، اور ان دونوں طریقہائے زندگی میں اتحاد کا تصور محال ہے۔

اسلامی ثقافت کی بنیاد

اسلامی ثقافت کا بنیادی پتھر قرآن کریم ہے، اس کتاب عظیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ ایک ایسی طاقتور، برحق اور کھلی ہوئی کتاب منزل ہے کہ اس پر باطل کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہوسکتا:

وانه لكتاب عزيز لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد (حم السجدۃ:۴۱-۴۲)

''اور یہ قرآن بڑی باوقعت کتاب ہے، جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے آسکتی ہے، یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔''

قرآن کریم اسلامی تعلیمات اور اسلامی ثقافت کا اولین سرچشمہ ہے، یہ کتاب ہدایت ہے، تمام عقائد اور تصورات اور اخلاقی قدریں اور پیمانے، اسی طرح عبادات اور اعمال وآداب، قوانین شریعت، طریقۂ زندگی اور اسلامی شعار، ان تمام حقائق کا بنیادی تعلق قرآن کریم سے ہے، یہ وہ صحیفۂ آسمانی ہے جو ناسخ ملل ومذاہب ہے، اس کے بعد نہ کسی کتاب یا صحیفے کی ضرورت ہے اور نہ کسی ایسے رہبر اصول کی احتیاج باقی رہتی ہے کہ جس کے بغیر

زندگی کامیابی اور سعادت سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔

اس کتاب سے اہل علم ودعوت اور اصحاب فکر وعمل کا غیر معمولی تعلق ہونا ایک ناگزیر ضرورت ہے، زندگی کے تمام شعبوں میں اسی کا اثر انگیز عمل ہمہ دم جاری وساری رہتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے ذریعہ اسلامی تہذیب وثقافت کی جس قدر نمائندگی ممکن ہے وہ کسی اور طریقے سے ممکن نہیں، قرآن کریم میں ان تمام حقائق ومعارف، اور علوم وافکار کا خزانہ موجود ہے جن کی اسلامی تہذیب کی تعمیر میں اشد ضرورت ہے، اس بنا پر سب سے زیادہ اولین اور اہم حیثیت حضارۃ الإسلام کے موضوع پر گفتگو کرتے وقت قرآن کریم کو حاصل ہے۔

قرآن کریم اور ہماری ذمہ داریاں

اس موقع پر قرآن کریم کے بارے میں چند گذارشات عرض کرنے کے بعد اس کی کچھ بنیادی خصوصیات کا ذکر کرنا بہر حال مناسب ہوگا۔

• پہلی گذارش تو یہ ہے کہ ہمیں قرآن کریم کے مکمل حفظ کا اہتمام کرنا چاہئے، اور اگر مکمل حفظ کا اہتمام مشکل ہو تو بقدر استطاعت ایک معتد بہ حصہ ضرور ہمارے سینوں میں محفوظ ہونا چاہیے، تاکہ اس کے نور اور اس کی برکت سے ہم ہر موقع پر رہنمائی حاصل کرسکیں، اس لئے کہ قرآن دراصل ایک عظیم الشان سرچشمۂ زندگی ہے، اس کی روانی اور شیرینی کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔

دوسری گذارش اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ہم کتاب اللہ کی تلاوت کا اہتمام کریں اور غور وفکر کا کوئی گوشہ چھوڑے بغیر ہم اس کے معانی ومفاہیم، اس کی ہدایات وتعلیمات کو اور اس کے حقائق واسرار، اس کے لطائف ورموز کو ممکن حد تک سمجھنے کی پوری کوشش کریں، اس کے ساتھ یہ کہنے کی اجازت بھی دیجئے کہ قرآن کریم کی صحیح قرأت اور اصول تجوید کے مطابق اس کی تلاوت کا زبردست اہتمام کریں، عام طور سے طبقۂ اہل علم اس پہلو کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا، اور اکثر اسلامی مدارس اور اداروں کے فارغین اصول تجوید سے نابلد ہوتے ہیں، اور تلاوت میں قواعد کی بڑی بڑی غلطیاں کرجاتے ہیں۔

قرآن کریم کی چند خصوصیات

اس مختصر گذارش کے بعد اب قرآن کریم کی چند خصوصیات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے:

یوں تو اس بحر ناپیدا کنار کو عبور کرنے کا تصور بھی کسی حال میں ممکن نہیں ہے، اور اس کے اندر علوم وحقائق کے جو ذخیرے موجود ہیں ان پر احاطہ کرنا کسی بڑی سے بڑی انسانی طاقت کے لئے بھی محال ہے۔

قرآن کریم کی پہلی اور بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کلام الٰہی ہے، اور ہر طرح کے انسانی علم وتخیل کی آمیزش سے پاک اور منزہ ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کے ناقل اور حضرت محمد ﷺ اس کے حامل وحافظ اور اس کے شارح ہیں، " وانه لتنزيل رب العالمين، نزل به الروح الأمين على قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربي مبين" (سورۃ الشعراء:۱۹۲۔۱۹۵) (اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے، آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں، تاکہ آپ بھی منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں)۔ ایک عام مسلمان کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور وہ علم قطعی ہے اس میں کسی درجہ میں بھی ادنیٰ شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

دوسری خصوصیت اس کا خلود ودوام ہے، یہ کسی خاص قوم یا نسل، یا زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو نبی آخر الزماں پر نازل ہوئی اور ہمیشہ کے لئے وہ قائم ودائم ہے، اور روشنی کا عظیم الشان مینار ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، " انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون" (حجر:۹) (اور ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں) چودہ صدیاں اس پر گذر جانے کے بعد بھی آج تک یہ قرآن اسی طرح تروتازہ اور جدید ہے جس طرح اپنے نزول کی ابتدا میں تھا، اسی طرح محفوظ، اسی طرح مقبول، اسی طرح ہاتھوں ہاتھ لئے جانے والا، تلاوت کرتے وقت ہمیں اس احساس وشعور کو اس کے بارے میں برقرار رکھنا ضروری ہے۔

تیسری اہم خصوصیت اس کی ہمہ گیریت ہے، چنانچہ یہ ہر زمانے کی کتاب ہونے کے ساتھ دین اسلام کی ایک مکمل اور جامع کتاب ہے، اس کے سامنے نہ کسی کتاب کی کوئی ضرورت ہے اور نہ اس کا قائم رہنا ممکن ہے، یہ کتاب زمانے پر حاوی ہے، ہر مذہب اور امت کے لئے بالکل کافی وشافی ہے، اور مضامین کے لحاظ سے بھی ہمہ گیر ہے، انسانی ہدایت وضرورت کی کوئی بات یا مضمون نہیں ہے جو اس میں موجود نہ ہو، عقیدے سے لے کر معاشرہ کے حالات اور خاندان کے تعلقات تک اس کتاب میں بہ تفصیل موجود ہیں، اس کے مفاہیم عالیہ پر غور کرنے والوں کو معلوم ہوگا کہ قرض لینے دینے کے سلسلہ میں اس کو نوٹ کر لینے اور لکھ لینے کے بارے میں سب سے لمبی آیت قرآن میں موجود ہے، یہ پہلو بہت نازک ہوتا ہے اور ذرا سی غفلت سے بہت زیادہ برائیوں اور خرابیوں کا باعث ہوتا ہے، اسلئے اس کی اہمیت واضح کرنا ضروری ہے۔

قرآن کریم اپنی ہمہ گیر خصوصیت کی بنیاد پر، پوری انسانیت اور پوری دنیا کی ایک دائمی کتاب ہے: ان ھو الا ذکر للعالمین (تکویر:۲۶) پس یہ تو دنیا جہان والوں کے لئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے. اسی طرح قرآن کی ہمہ گیری یہ بھی ہے کہ وہ صرف عقل یا صرف قلب کو مخاطب کرنے پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ وہ پورے انسانی وجود، اس کے وجدان کو، اس کے ضمیر کو، اس کی روح کو، اس کے جسم کو اس کے حواس کو اسی طرح مخاطب کرتا ہے جس طرح عقل اور قلب کو۔

قرآن کریم کی چوتھی بڑی خصوصیت اس کا اعجاز ہے، وہ عرب قوم جو اپنی فصاحت وبلاغت کے سامنے ساری دنیا کو عجم کے نام سے یاد کرتے تھے اور اپنے سوا تمام انسانوں کو زبان وبیان کی طاقت سے محروم سمجھتے تھے، اور اپنے کلام کو بلاغت وبیان کے آخری درجہ پر شمار کرتے تھے، لیکن قرآن کریم کی جب کچھ سورتیں نازل ہوئیں اور تمام انسانوں کو مخاطب کر کے کبھی یأیھا الناس اور کبھی یأیھا الذین آمنوا اور یأیھا الناس أنتم الفقراء إلی اللّٰہ، اور اس طرح کے دیگر خطابات سے نوازا گیا تو جزیرۂ عرب کے اہل فصاحت وبلاغت نے کسی حد تک کلام الٰہی کی طرف توجہ مبذول کی، رسول کریم ﷺ کے ذریعہ اس نے کفار

ومشرکین عرب کو چیلنج کیا کہ وہ افصح الفصحاء اور ابلغ البلغاء ہونے کے باوجود کوئی اس جیسا طرز بیان لاکر دکھائیں، یا دس سورتیں اس جیسی لکھ کر دکھائیں یا اس جیسی ایک ہی سورت پیش کردیں، لیکن وہ ناکام رہے، اللہ تعالیٰ نے بے بسی اور ناکامی پر کسی افسوس کا اظہار کئے بغیر فرمایا" قل لئن اجتمعت الانس والجن علی أن یأتوا بمثل هذا القرآن لایأتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا" (سورۃ الاسراء آیت:۸۸) آپ فرمادیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات اس بات کے لئے جمع ہوجائیں کہ ایسا قرآن بنالائیں، تب بھی ایسا نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار بن جائے۔

لیکن انہوں نے جب زیادہ غور وفکر سے کام لیا تو وہ بے ساختہ بول پڑے کہ یہ کلام کسی بشر کا نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ کسی مافوق البشر ہستی کا کلام ہے، اور جوں جوں وہ اس میں غور وفکر کرتے رہے، اپنے آپ کو اس جیسا یا اس کے مشابہ کسی کلام کے پیش کرنے سے پوری طرح عاجز پایا۔

(۱) قرآن کریم کا اعجاز ہر ناحیہ سے دیکھا جاسکتا ہے، زبان وبیان اور ادب وبلاغت، لفظ ونظم ہر اعتبار سے وہ معجز ہے۔

(۲) اپنے موضوعات کے تنوع اور ہمہ گیریت کے لحاظ سے بھی وہ معجز ہے۔

(۳) علمی حقائق اور کائناتی اسرار وحکم کے لحاظ سے بھی وہ معجز ہے۔

قرآن کریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولو أن قرآنا سیرت به الجبال أو قطعت به الأرض أو کلم به الموتی ، بل لله الامر جمیعا اگر بالفرض کسی قرآن (آسمانی کتاب) کے ذریعہ پہاڑ چلادئے جاتے یا زمین ٹکڑے ٹکڑے کردی جاتی یا مردوں سے باتیں کرادی جاتیں پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے (رعد:۳۱)۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ یوسف کی ابتدا ان الفاظ سے فرمائی: تلك آیات الکتاب المبین ، إنا أنزلناه قرآنا عربیا لعلکم تعقلون یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں، یقیناً ہم نے اس کو قرآن عربی نازل فرمایا ہے کہ تم سمجھ سکو (سورۂ یوسف:۱-۲)

سورۂ یونس کا آغاز کچھ اس طرح فرمایا گیا: تلك آيات الكتاب الحكيم ، أكان للناس عجبا أن أوحينا إلى رجل منهم أن أنذر الناس وبشر الذين آمنوا أن لهم قدم صدق عندربهم قال الكافرون ، إن هذ ا لساحر مبين. یہ پرحکمت کتاب کی آیتیں ہیں، کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو ڈرایئے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ خوشخبری بھی سنایئے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا اجر و مرتبہ ملے گا۔ کافروں نے کہا یہ شخص تو بلاشبہ صریح جادوگر ہے۔ (یونس:۱۔۲)

حامل قرآن کی مثال

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ایک حدیث میں آیا ہے کہ قرآن روئے زمین پر اللہ کا خوان نعمت ہے، تو اس سے خوب فیض اٹھاؤ۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ: جو مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے، اس کی مثال ترنج (خوشبودار پودہ) کی سی ہے، اس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور مزہ بھی لذیذ، اور جو مومن قرآن نہ پڑھے اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ خوشبو کچھ نہیں، مگر مزہ شیریں ہوتا ہے اور جو منافق قرآن شریف نہیں پڑھتا اس کی مثال حنظل کے پھل کی سی کہ مزہ کڑوا اور خوشبو کچھ نہیں اور جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے، اس کی مثال خوشبودار پھول کی سی ہے کہ خوشبو عمدہ اور مزہ کڑوا۔ (نسائی ۔ابن ماجہ)

سیرت طیبہ ایک جامع نمونہ☆

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی محمد صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعھم باحسان ودعا بدعوتھم إلی یوم الدین. أمابعد:

سیرت کے جلسوں کا مقصد

حاضرین جلسہ اور شرکائے کرام!

آپ کا یہ جلسہ جس مقصد کیلئے منعقد کیا جارہا ہے، وہ بہت عظیم ہے۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو یاد کرنا، حیات طیبہ کے کچھ حالات سننا اور اس پر عمل کرنے کا عہد کرنا۔ یوں تو سیرت پاک کے نام سے بڑی بڑی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں، لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ ان محفلوں میں شرکت کرنے کے بعد بھی ہماری زندگی کے اندر کوئی خاص تبدیلی اور کوئی ایسی امتیازی بات نہیں دکھائی دیتی جو اس محفل کی طرف منسوب ہو۔ زندگی کا جو معمول پہلے تھا جس طرح ہمارے لیل ونہار گزر رہے تھے، ہم جن مشاغل کے اندر پہلے اپنی زندگی گزار رہے تھے، جس انداز سے ہم پہلے جی رہے تھے اس جیسی محفلوں میں طویل شرکت کے بعد بھی ہمارے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ہم آج بھی اسی بے حسی کے ساتھ اور اسی بے تعلقی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور گویا یہ طے کر رکھا ہے کہ انہیں حالات کے ساتھ زندگی کے یہ لمحے گزر جائیں گے۔

☆ جلسہ سیرت النبی مولوی گنج لکھنؤ ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں کی گئی ایک برجستہ تقریر

ہونا یہ چاہئے تھا کہ سیرت کی محفلوں میں شرکت کے بعد جب ہم واپس جاتے تو ہمارے اندر کی دنیا تبدیل ہوچکی ہوتی، اور ہمارے عمل کے اندر محسوس ترقی ہوچکی ہوتی، ہمارے خیالات بدل چکے ہوتے، ہمارے وہ اقدامات اور سرگرمیاں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے ان میں بھی تبدیلی آئی ہوتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا، کاش! آج کی یہ مختصر مجلس اس تبدیلی کا باعث بنے۔ ہماری زندگی کے اندر تغیر پیدا ہو، ہم اپنے فکر کے اندر تبدیلی لائیں، ہمارا تعلق دین سے زیادہ سے زیادہ پیدا ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سن کر ایسی کیفیت پیدا ہو کہ ہم اس کے بغیر کسی طرح اپنی زندگی کو بہتر نہ سمجھ سکیں۔ ہمارے اندر جب یہ تبدیلی آنے لگے، ہمارے اندرون کا جب یہ حال ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے منعقد ہونے والی مجلس میں شرکت کے بعد ہمارا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سے زیادہ سے زیادہ بڑھ جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دلوں کے اندر جاگزیں ہوجائے، حضور کی محبت تمام محبتوں پر غالب آجائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جذبہ ہمارے رگ وپے میں سرایت کر جائے، تب سمجھئے کہ ہم نے کچھ فائدہ حاصل کیا۔

اعمال صالحہ میں جذبۂ مسابقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "بادروا بالأعمال الصالحة، فستكون فتن كقطع الليل المظلم يصبح الرجل مؤمنا و يمسي كافراً، ويمسي مؤمنا ويصبح كافراً، يبيع دينه بعرض من الدنيا (مسلم:۱۱۸) اعمال صالحہ کی طرف سبقت کرو، اس لئے کہ وہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے کہ رات کی تاریکیوں کی طرح یہ تاریک فتنے تم کو ہر طرف سے گھیر لیں گے، اور ان فتنوں میں آدمی کو یہ یاد نہیں رہ جائے گا کہ مسلمان ہے یا غیر مسلم، اگر وہ مسلمان ہے تو اس کے اسلام کے تقاضے کیا ہیں، اس کو زندگی کس طرح بسر کرنی چاہئے، شریعت کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہونا چاہئے، اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ اس کا کیا رویہ ہونا چاہئے، اس کو کچھ نہ یاد رہ جائے، صبح ہوتے

ہوتے اس کے خیالات بدل جائیں، اور وہ اپنے آپ کو اسلامی معاشرے کا ایک فرد سمجھنے لگے، لیکن فتنے اتنے تاریک، اتنے گہرے، اتنے دبیز اور اس قدر انسان کو بے دست و پا کرنے والے ہوں گے کہ شام ہوتے ہوتے پھر اس کے خیالات میں تبدیلی آجائے گی اور وہ اسلامی خیالات بدل جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ کی اطاعت کا جو تعلق ہے، وہ اتنا کمزور پڑ جائے گا کہ اس کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم۔ جب ایسے فتنے آئیں تو ان فتنوں کے آنے سے پہلے اور ان کا شکار ہونے سے پہلے تم نیک کاموں میں جلدی کرو، اس لئے کہ یہی اعمال صالحہ تمہاری کامیابی، اللہ کی نظروں میں تمہاری مقبولیت، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن شفاعت سے وابستگی کا ذریعہ ہیں۔ کیا یہ اعمال صالحہ ہیں؟ کہ آدمی دعویٰ کرے کہ وہ مسلمان ہے، شریعت کا پابند ہے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ اپنے دل کے اندر رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، دعویٰ کرے کہ وہ نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، حج کرتا ہے، صاحب نصاب ہو تو زکوۃ دیتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ دائرۂ اسلام میں باقی نہیں رہ پاتا، بلکہ فتنوں کی زد میں اس طرح آجاتا ہے کہ فتنے اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، اور اسے یہ یاد نہیں رہ جاتا ہے کہ یہ وہی مسلمان ہے جو ابھی یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس کو ایک مانتا ہوں، اس کے ساتھ کسی معبود، کسی الٰہ، کسی خدا کو شریک نہیں سمجھتا، اور جو اسلام کی تمام تعلیمات پر اپنے آپ کو ثابت قدم سمجھ رہا تھا، وہ اس قدر جلد اپنی بات بھول گیا اور اس راستے سے ہٹ گیا جو راستہ اسلام اور نجات کا تھا، جس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: "وأن هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه، ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله" اس راستے پر چلنے والا انسان جب فتنوں کی تاریکیوں میں آتا ہے، جب وہ اپنے آپ کو فتنوں کے سپرد کر دیتا ہے، اور ان کے سامنے سرنگوں ہو جاتا ہے، اور ہتھیار ڈال دیتا ہے تو وہ توحید کی روشنی سے محروم ہو جاتا ہے اور اس سے وہ روشنی چھین لی جاتی ہے، خواہ تھوڑی ہی دیر کے لئے ہو۔

جب فتنے اتنے دبیز، گہرے، تاریک اور اس قدر انسان کو غافل کر دینے والے

ہوں اور اس کو گھیر لیں، تو سمجھ لیجئے کہ اب ہمارے ایمان کی خیر نہیں! ایسی حالت میں کیا چیز ہم کو نجات دلا سکتی ہے، کون سی چیز ہم کو ایمان پر قائم رکھ سکتی ہے، اس کا جواب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے، اور حکم دے کر فرمایا ہے کہ: اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرو، دوڑو، سبقت کرو، اس لئے کہ یہی اعمال صالحہ فتنوں کی تاریکیوں اور ان کی دبیز چادروں سے تم کو نجات دلا سکتے ہیں۔

اگر اعمال صالحہ نہیں تو ہمیں شکوے کا کوئی حق نہیں پہنچتا، اگر عمل صالح خود ہی ہماری زندگی کے اندر نہ ہو اور ہم یہ کہتے رہیں کہ ہر جگہ فتنے ہی فتنے ہیں۔ ہر طرف برائیوں اور بداخلاقیوں کا دور دورہ ہے، تو ہمیں یہ کہنے کا حق نہیں، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم ہر وقت فتنوں کی زد میں ہیں۔

امت مسلمہ اور دعوت دین

میرے دوستو اور بھائیو!

آپ اپنی زندگی کا جائزہ لیجئے، آپ دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بموجب ہم کہاں ہیں؟ کیا ہم اعمال صالحہ کے زیور سے اپنی زندگی مزین کر رہے ہیں؟ ہماری زندگی کے اندر وہ خیر موجود ہے جس کی ضمانت اسلام نے لی ہے؟ اسلام سے اگر ہمارا عملی رشتہ مضبوط ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ خیر ہمارے اندر موجود نہ ہو جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے: کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنکر، و تؤمنون باللّٰه. اللہ نے تم کو خیر امت بنایا جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی، تم اچھی باتوں کا حکم دو، اور بری باتوں سے روکو۔ تم خیر امت تو اس وقت تھے جب ان لوگوں کو جو برے راستوں پر کھڑے ہوئے تھے، نیکیوں کی طرف بلاتے تھے، عمل صالح کی دعوت دیتے تھے اور ان کو بتاتے تھے کہ یہ راستہ تمہاری کامیابی کا نہیں ہے، اور اس راستے میں تمہارے لئے کسی قسم کا خیر نہیں ہے، اس راستے پر چل کر تم منزل مقصود تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ یہ ٹیڑھا ذلیل راستہ ہے جو تمہیں کہیں لے جا کر اوندھے منہ گرا دے گا۔

جب تک تم یہ کرتے رہے، اس وقت تک خیر امت تھے، یہ تھا وہ عمل صالح جو اس امت کے سپرد کیا گیا۔ خیر امت کا بہترین عمل اور اس کی سب سے بڑی ذمہ داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھی، صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللّٰہ ! أخبرني بعمل يدخلني الجنة، ويباعدني عن النار. آپ نے فرمایا: "لقد سئلت عن أمر عظيم، وإنه يسير على من يسره الله عليه، تعبدالله ولا تشرك به شيئا، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتصوم رمضان، وتحج البيت" . یعنی مجھے ایسا عمل بتادیجئے جو میرے لئے جنت میں داخلے کا ذریعہ بنے اور جہنم سے نجات دلادے، آپ نے فرمایا: تم نے بہت بڑی بات پوچھی ہے! یہ ہے تو بہت مشکل کام، لیکن ان لوگوں کے لئے آسان ہے، جن کے لئے اللہ آسان کردے۔ اور فرمایا کہ وہ کام یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ، نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور حج بیت اللہ ادا کرو۔

اللہ کی عبادت کے لئے کیا تیاریاں کرنا ضروری ہوتی ہیں؟ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ انجام دینے کے لئے ہمیں کیسا بننا پڑتا ہے؟ اور اللہ کی عبادت صحیح طریقے سے ادا کرنے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کرنا ہوگا؟ کیا یہ کہ ہم اپنی تمام بداعمالیوں کے ساتھ ساتھ پانچ وقت کی نماز ادا کرلیں اور بس! اور یہ سمجھیں کہ اللہ کا حق ادا ہوگیا! اللہ کے ساتھ ہر چیز کو شریک کرتے ہوئے، چاہے ہمیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو، ہم یہ سمجھ لیں کہ اللہ کی عبادت کا حق ادا ہوگیا اور اس کی عبادت پوری ہوگئی، اور اللہ تعالیٰ کے معبود حقیقی ہونے کا پورا یقین ہمارے دلوں میں پیوست ہوگیا، بالکل صحیح نہیں۔

عبادت کا صحیح طریقہ

اللہ کی عبادت اس طرح کرنا کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اللہ تم کو دیکھ رہے ہیں۔ (أن تعبدالله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك) جس کی عبادت کی جاتی ہے اگر وہ دیکھ رہا ہے اور تم اس کو دیکھ رہے تو وہ عبادت کتنی اچھی اور کتنی عظیم الشان ہوگی؟ آپ دن

رات اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ آپ کے گھر میں ایک ملازم جب آپ کے سامنے کام کرتا ہے تو وہ کتنے اچھے طریقے سے اور کتنی ذمہ داری کے ساتھ اپنا کام انجام دیتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ہمارے آقا ہمیں دیکھ رہے ہیں، وہ کام بہتر سے بہتر انداز سے انجام دینے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ وہ اس سے خوش ہو اور خوش ہو کر اس کو زیادہ سے زیادہ انعام دے، اس کی تنخواہ میں اضافہ کردے اور اس کے لئے مزید جو بھی سہولتیں ہو سکتی ہیں، ان کو بہم پہنچاوے۔

اور اگر یہ نہ سمجھتے ہوں کہ آپ اپنے رب کو دیکھ رہے ہیں، تو یہ سمجھئے کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہے تو وہ عبادت کیسی اچھی، کتنی شان دار اور کتنی قیمتی ہوگی، اس کے اندر کتنا خشوع وخضوع ہوگا! لیکن اگر آپ یوں ہی نماز پڑھ رہے ہیں، یوں ہی عبادت کر رہے ہیں، یوں ہی کلام اللہ کی تلاوت کر رہے ہیں کہ آپ کا دل کہیں، دماغ کہیں اور ہو اور آپ کھڑے تو ہیں نماز میں لیکن آپ کا ذہن حاضر نہیں، خشوع وخضوع کا کہیں پتہ نہیں، آپ کے دل میں اس کا کوئی احساس نہیں کہ آپ کا اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے اور آپ اس کو دیکھ رہے ہیں تو بھلا وہ نماز کیسی ہوگی؟۔

جنت کی قیمت جان ومال

میرے دوستو اور ساتھیو!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو"۔

آپ یہ بتایئے کہ جب ہم اللہ کی عبادت اس حال میں کریں کہ یہ خیال ہی نہ رہ جائے کہ ہم کیا کر رہے ہیں، تو کیا وہ عبادت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوگی؟ کیا اللہ کی نظروں میں اس کی کوئی قیمت ہوگی؟ آپ عبادت تو اللہ کی کر رہے ہیں، لیکن آپ کا ذہن بازار میں کام کر رہا ہے، جسم آپ کا مسجد میں ہے اللہ کے سامنے، اللہ کے دربار میں کھڑے ہیں، لیکن آپ کا دل ودماغ دوسری جگہ ہے۔ کیا یہ اللہ کے ساتھ اللہ کی عبادت میں شرک نہیں ہے کہ آپ نے اللہ کی عبادت میں اپنے کاروباری ذہن کو شریک کر دیا؟ جس مسئلے کا عبادت سے کوئی تعلق نہیں!! اور صرف یہی نہیں کہ جائز معاملات میں، بلکہ اکثر ناجائز معاملات کے

اندر، مالی معاملات کے اندر اور نفع ونقصان کے معاملات کے اندر ذہن چلتا ہے، ادھر مسجد میں کھڑے ہوکر بظاہر اللہ کی عبادت ہورہی ہے، اور حقیقتاً اللہ کی عبادت کے ساتھ شرک کیا جارہا ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے صرف: تعبداللہ" نہیں فرمایا: "تعبداللّٰہ ولا تشرك به شيئاً" اس لئے کہ شرک ایسی چیز ہے کہ انسان اس سے بہت کم بچ پاتا ہے۔ جولوگ بہت عظیم المرتبت ہوتے ہیں، جن کا تعلق اللہ سے بہت گہرا ہوتا ہے، وہی اللہ کی عبادت کے وقت اللہ کی طرف پوری طرح ہمہ تن، دل سے بھی دماغ سے بھی، جسم وروح سے بھی اور اپنے اعضا وجوارح ہر چیز سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں کسی چیز کا گزر نہیں۔ لیکن اگر ہمارے اندر اعمال کی وہ پختگی نہیں ہے اللہ سے ہمارا وہ گہرا تعلق نہیں جو اس سے ہونا چاہئے تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں جو جان دی تھی اس جان کی قیمت ہم نے ادا نہیں کی:

إن اللّٰه اشترى من المؤمنين أنفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة يقاتلون في سبيل الله فيقتلون ويقتلون، وعداً عليه حقا في التوارة والإنجيل والقرآن ومن أوفى بعهده من اللّٰه فاستبشروا ببيعكم الذي بايعتم به، وذلك هو الفوز العظيم. اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم نے خرید لیا، مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو، کس چیز کے بدلے؟ اس کی قیمت انہوں نے کیا دی ہے؟ جان ومال اسی نے دیا اور اسی نے اس جان ومال کو خرید لیا جنت کے بدلے میں!!

تو اگر ہمیں اللہ سے وہ تعلق ہے، وہ محبت ہے، اللہ کی راہ میں وہ جذبۂ فنائیت ہے تو ہمارے سارے کام بہتر ہوں گے، ہماری زندگی صرف اللہ کے لئے گزرے گی اور اس کا ایک ایک لمحہ اللہ کے لئے ہوگا، اللہ ہر وقت ہمارے ذہنوں میں ہوگا، ہر کام میں اللہ کا خیال ہمارے دل میں ہوگا اور جب ہماری یہ کیفیت ہوجائے گی تو ہمارا ہر عمل اللہ کی ناراضگی اور شرک کے شائبے سے پاک اور محفوظ ہوگا۔

اگر یہ دنیا کے خادم اپنے فرضی اور وقتی آقاؤں کے لئے جان دے دیتے ہیں، تو وہ اللہ جس نے ہم کو سب کچھ دیا ہے، ہمیں جان دی، انسان بنایا، اسلام کی نعمت سے سرفراز

فرمایا، اس مالک حقیقی کے لئے ہم نے کیا کیا؟ کس طرح ہم اس پر مرمٹے؟ اس کی راہ میں ہم نے کون سی جان دے دی؟ کون سا مال خرچ کر دیا؟ اس کا کون سا حق ادا کر دیا؟

اللہ تعالیٰ کے احسانات اور ہمارا برتاؤ

اللہ نے ہمارے ساتھ اتنے احسانات کئے، جن کو ہم کبھی شمار نہیں کر سکتے، وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها. تم اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو کبھی شمار نہیں کر سکتے، اس اللہ کے لئے ہماری کیا خدمت ہے؟ اس کے لئے کون سی قربانی پیش کی گئی؟ اس اللہ کی عبادت ہم نے کس طرح انجام دی؟ کہنے کو نمازی ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور بہت ہی پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں، لیکن نماز کے اندر بھی ہمارا دل ادھر یک سو نہیں رہتا۔

نماز پڑھتے ہیں، لیکن لوگوں سے جھگڑتے بھی ہیں، بے ایمانی بھی کرتے ہیں، خیانت بھی کرتے ہیں، جھوٹ بھی بولتے ہیں، جو گناہ کبیرہ ہے، جھوٹ بولنا تو فیشن ہو گیا ہے، جو لوگوں کے سامنے جھوٹ بول کر اپنی ذہانت کا ثبوت نہ دے تو سمجھئے کہ وہ بیوقوف ہے، لیکن جھوٹ کیا ہے؟ گناہ کبیرہ ہے!! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الصدق ینجی والکذب یهلك" سچائی آدمی کو نجات دلاتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔ بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ کام چل جائے گا، لیکن کام نہیں چلتا۔ انجام کار کے اعتبار سے تو ہلاکت ہی ہوتی ہے۔

غرض حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سوال پر آپ ﷺ نے جو بات ارشاد فرمائی اس کے اندر اسلام کی تمام تعلیمات آجاتی ہیں۔ اگر ان تمام باتوں پر ہم نے عمل کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت ہمارے اوپر ثابت اور متحقق ہوتی ہے کہ ہمیں جنت میں داخلہ ملے، لیکن آپ سوچئے کہ اپنے حالات، معاملات، اعمال، کردار، زبان اور اپنے رویے سے کسی درجے میں بھی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے مستحق ہیں؟ نہ ہماری زبان درست ہے، اور نہ ہمارے اعمال و اخلاق بہتر ہیں، اور نہ ہمارے اندر فضائل اور نیکیوں کا وہ جذبہ ہے جو ایک سچے مسلمان کے اندر ہونا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیمات ہیں۔ اگر ان پر ہم نے عمل نہ کیا تو ہمارے اوپر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی صادق آئے گی کہ "اگر تم نے اعمال صالحہ کی طرف سبقت اور جلدی نہیں کی تو تم کو تاریک رات کے مانند سیاہ ٹکڑوں جیسے فتنے ہر طرف سے گھیر لیں گے، جن کا تم مقابلہ اور سد باب نہیں کر سکتے"۔

بعثت رسول اللہ ﷺ کا ایک اہم مقصد

میرے دوستو اور عزیزو!

آپ غور کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جو کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہے، آپ کے تمام معاملات، آپ کی زندگی کے تمام لمحات ہماری نظروں کے سامنے اور سیرت کی کتابوں میں مدون ہیں۔ ان کو پڑھ کر ہم کون سی چیز اخذ کرتے ہیں اور اس کو اپنی زندگی میں داخل کرتے اور اس کو اپناتے ہیں، اور کون سی چیز چھوڑتے ہیں؟۔

اگر ہم اپنے ایمان میں سچے ہیں، اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری محبت کا دعویٰ سچا ہے، اور آپ کی اطاعت کا سچا جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہیں تو ہمیں اس خلق عظیم کی روشنی میں اپنی زندگی گزارنی چاہئے، جس کو لے کر آپ اس دنیا میں تشریف لائے، آپ نے اپنی بعثت کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: "إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق" میں صرف اس لئے بھیجا گیا ہوں، تاکہ دنیا کے اندر بلند اخلاقی کا اعلیٰ معیار قائم کر کے دکھادوں، کہ ایک مسلمان کو ان مکارم اخلاق کا کس طرح پابند ہونا چاہئے، اس کی زندگی کے ایک ایک لمحے کا تعلق اسی خلق عظیم سے ہونا چاہئے، اور اسی خلق عظیم کی روشنی میں اس کی زندگی بسر ہونی چاہئے۔

محبت رسول ﷺ کا تقاضا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ تھا کہ ہم آپ کی باتوں پر پوری طرح عمل کرتے اور کسی طرح اس بات پر راضی نہ ہوتے کہ آپ کا فرمان چھوڑ بیٹھیں، یا اسے

بھول جائیں یا اس سے غفلت برت لیں، یہ نہیں ہوسکتا۔ سچی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وقت وہ چیزیں ہماری نظروں کے سامنے رہیں، ہماری زندگی اور ہمارے رگ وپے میں سرایت کر جائیں۔ ہم کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں، ایمان تازہ کریں اور تمنا کریں کہ ہمیں بھی ایسی زندگی حاصل ہو، ہم کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں کہ اللہ کا سچا بندہ دکھائی دے رہا ہے۔ ہم کو دیکھ کر اللہ کی یاد ان کے دلوں میں تازہ ہوجائے، ہماری زندگی ایسی ہونی چاہئے! ہماری زندگی ایسی نہیں ہونی چاہئے کہ ہم کو دیکھ کر لوگ نفرت کریں اور کہیں کہ دیکھو وہ جھوٹا آرہا ہے، بے ایمان آرہا ہے، جھگڑالو آرہا ہے۔

ہم جس ماحول میں زندگی بسر کررہے ہیں، اس کا تقاضا یہ تھا کہ ہم لوگوں کے سامنے سچی اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کرتے۔ لیکن آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے وہ نمونہ پیش کررہے ہیں جس کی وجہ سے لوگ اسلام سے نفرت کرنے لگیں۔ اور کہیں کہ اب اسلام اس قابل نہیں کہ چل سکے۔ کیوں کہ اس کی زندہ مثال مسلمانوں کی شکل میں موجود ہے۔ اگر اسلام کے اندر طاقت ہوتی، اور اسلام اگر اللہ کا سچا دین ہوتا تو مسلمان آج اس زبوں حالی اور بے چارگی میں مبتلا نہ ہوتے۔

لیکن اسلام سے ہمارا رشتہ نام کا رہ گیا ہے، کام کا نہیں، جب کبھی ضرورت پڑتی ہے تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور جہاں دیکھتے ہیں کہ یہاں مسلمان کہنا مناسب نہیں ہے وہاں ہم پہلو تہی کر جاتے ہیں۔ مردم شماری کے خانے میں اپنے آپ کو مسلمان لکھوا دیتے ہیں، اس لئے کہ آباواجداد سب مسلمان چلے آرہے ہیں، اب کیسے یہاں غیر مسلم لکھوائیں۔

بھائی! اگر ہم صرف مردم شماری والے مسلمان ہیں اور موروثی طور پر مسلمان چلے آرہے ہیں، اور اعمال کے اعتبار سے مسلمان نہیں ہیں اور اسلام کی تعلیمات ہمارے اندر زندہ نہیں ہیں، تو ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ہم اپنے آپ کو کس خانے میں رکھیں۔ کوئی ایسا بیچ کا راستہ نکال لیں جس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق اور کوئی امتیاز نہ ہو۔

مکمل اسلام کا مطالبہ

میرے دوستو اور بھائیو!

مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات پر مکمل طریقے سے عمل پیرا ہوں۔ اگر ہم کچھ چیزوں پر عمل پیرا ہیں اور کچھ چیزوں پر نہیں تو ہم پورے مسلمان نہیں ہو سکتے۔ اور یاد رکھئے! کہ مسلمان یا تو پورا پورا ہوگا یا پھر نفاق ہوگا۔ یہاں بیچ کی کوئی راہ ہے ہی نہیں: "یا أیھاالذین آمنوا ادخلوا في السلم کافة"۔ اے مسلمانو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ ہر اعتبار سے مسلمان بن جاؤ۔ جسم بھی مسلمان، جان بھی مسلمان، صورت سے بھی مسلمان، سیرت سے بھی مسلمان، قول کے لحاظ سے بھی مسلمان، عمل کے اعتبار سے بھی مسلمان۔

اگر تم ایسا نمونہ اور اسلام کے سچے وفادار بن جاؤ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اپنی زندگی میں نافذ کر لو تو آج ساری دنیا تمہارے قدموں میں گرے، آج دنیا کو تلاش ہے ایسے انسانوں کی، جن کے اندر حق ہو، صداقت ہو، اور جو اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے جینے کا جذبہ رکھتے ہوں، دوسروں کے لئے مفید ثابت ہو رہے ہوں، دوسروں کے لئے خیر خواہی کا جذبہ ان کے دل میں موج زن ہو۔ یہ دین کیا ہے؟ یہ اسلام کیا ہے؟ یہ ایک خیر خواہی کا دین ہے۔ اس کا نام ہی "نصیحت" (خیر خواہی اور وفاداری) ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الدین النصیحة' قالوا لمن؟ قال: للّٰه ولکتابه ولرسوله ولأئمة المسلمین وعامتهم"۔ یعنی اللہ کے لئے بھی اور اس کے رسول کے لئے بھی اور اللہ کی کتاب کے لئے بھی خیر خواہی کا جذبہ۔ یہ کب ہوگا جب ہم پوری طرح مسلمان بن جائیں اور اپنی فکر سے زیادہ دوسروں کی فکر ہو۔ اپنی فکر تو اعمال اور ایک سچا پکا مسلمان بننے کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہو، مگر فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے دوسروں کی فکر کریں۔ جس حالت میں ہم ہیں اس سے بہتر حالت میں دوسروں کو دیکھنا چاہیں: "لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه"۔ تم میں سے کوئی

آدمی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لئے وہی نہ چاہے جو وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

اپنے لئے ہم کیا پسند کرتے ہیں؟ عزت، عظمت، رحمت، نعمت، رضائے الٰہی، رزق میں وسعت وکشائش، کامیابی اور روشن مستقبل پسند کرتے ہیں۔ دوسروں کے لئے بھی ہمارا یہی جذبہ ہو کہ ہمارا بھائی بھی ترقی کرے، آگے بڑھے، یہ نہ ہو کہ ہم ترقی کریں اور دنیا چاہے جہاں جائے، لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم سے کیا مطلب؟ دنیا جہنم میں جائے، یہ کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے! یہ جذبہ کسی مسلمان کے اندر ہوگا؟ اور اگر ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے ایمان کی تجدید کرے اور اپنے اسلام کا جائزہ لے۔

اسوۂ حسنہ سے جذباتی لگاؤ

آج ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسوۂ حسنہ ہمیں عطا فرمایا ہے اس سے ہم بالکل بے گانہ ہیں، اور ہمیں اس کی فکر نہیں ہے کہ ہم اپنے اندر ایک مرتبہ غور کر کے دیکھ لیں کہ ہمارے اندر کون کون سی باتیں ایسی ہیں جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں اور کون کون سی باتیں ایسی ہیں جن کا اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔ اپنی زندگی کا جائزہ لیجئے، اپنے گردوپیش کو بہتر بنانے کی فکر کیجئے۔ اپنے بھائیوں کی خبر گیری کیجئے، اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ کیجئے۔ اور اس ملک کے اندر اپنے آپ کو سچا پکا مسلمان بنا کر پیش کیجئے، برادران وطن آپ کی طرف متوجہ ہوں گے، وہ کہیں گے کہ یہ مسلمان ہیں، یہ جھوٹ نہیں بولتے، یہ بے ایمانی نہیں کرتے، ان کے گھر کا ماحول بہت اچھا ہوتا ہے۔ جس طرح یہ اپنا اور اپنے بچوں کا خیال کرتے ہیں اس سے زیادہ دوسروں اور دوسروں کے بچوں کا خیال کرتے ہیں۔ اپنے محلے اور اپنے معاشرے کے اندر اپنا مال خرچ کر کے سدھار کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ فروتنی اور لوگوں کے ساتھ خاکساری سے پیش آتے ہیں۔

آپ کو اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ اپنی زندگی کو نمونہ بنائیں۔ آپ کو دیکھ کر لوگ اس بات کی تمنا کریں کہ ہماری زندگی بھی ایسی ہو، ہمیں بھی یہ خوش

حالی، بلندی، یہ خاکساری، یہ توکل، یہ اطمینان قلب، اور یہ امن وچین نصیب ہو۔

سیرت رسول ﷺ امن وعافیت کا سرچشمہ

آج امن وعافیت کا مسئلہ کتنا پیچیدہ ہے۔ پوری دنیا مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک امن برپا کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ کانفرنسوں پر کانفرنسیں ہورہی ہیں۔ مشوروں پر مشورے ہورہے ہیں، بڑے بڑے دانشور، بڑے بڑے مفکرین بلائے جارہے ہیں کہ اس مسئلے پر غور کریں کہ کس طرح امن عالم برپا ہو۔ لیکن کہیں وہ نسخہ مل نہیں رہا ہے۔ ملے کہاں؟ وہ نسخہ تو مسلمانوں کے پاس ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا کی حالت دیکھئے! کیسی بدامنی تھی، لیکن اسلام کی آمد کے بعد ایسے امن اور سکون کی فضا قائم ہوئی کہ ایک بوڑھیا صحرا کے اندر مال ودولت لے کر تنہا سفر کرتی تھی، مگر کوئی ایسی للچائی ہوئی نگاہ نہیں تھی، جو اسے کسی قسم کا نقصان پہنچا سکے، بلکہ نقصان پہنچانے کے بجائے اس کا ساتھ دیتے تھے، مدد کرتے تھے، منزل مقصود تک پہنچادیتے تھے۔

آج جو بیماریاں، جو خرابیاں، جو برائیاں اور جو پریشانیاں ہیں اور آپ اور آپ کے مال ودولت کو جو خطرات درپیش ہیں، سب اس لئے ہیں کہ اسلام سے آپ کا تعلق کمزور ہوگیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے آپ کا کوئی رشتہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔

معاشرہ کی تعمیر اسوۂ حسنہ کی روشنی میں

میرے بھائیو!

آپ برا نہ مانیں، میں حقیقت بیان کررہا ہوں۔ اس حقیقت کو بیان کرنے دیجئے، حقیقت تلخ ہوا کرتی ہے۔ میں آپ سے یہی عرض کروں گا کہ ہماری زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں بسر ہونی چاہئے: لقد كان لكم في رسول اللّٰه أسوة حسنة، لمن كان يرجو اللّٰه واليوم الآخر وذكر اللّٰه كثيراً" کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی آدمی کو ضرورت ہو، اور وہ آپ کی زندگی کے اندر موجود نہ ہو۔

اس لئے اصل یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل طریقے پر پیروی کریں۔ اور اس کے لئے جو بھی کوششیں ہوسکتی ہوں وہ کریں، صرف صورت یا ظاہر میں مسلمان بننا نہ ہمارے لئے مفید ہے، نہ ہمارے ماحول کے لئے نفع بخش۔

ہم اپنے ماحول کو بلند تر بنا سکتے ہیں۔ اس ملک کو جہاں مسلمانوں کی تعداد اتنی بڑی ہے، اگر ہم چاہیں اور ایک ٹھوس اور سنجیدہ فیصلہ کرلیں تو اس پورے ملک کو اسلام کی روشنی سے منور، اور دین کی بے بہا دولت ونعمت سے مالا مال کرسکتے ہیں۔ یہ ہمارے اندر کی کوششوں، ہمارے اندر کے جذبات اور ہمارے ایمان اور عزم وحوصلے پر موقوف ہے۔

ہم بلا وجہ دوسروں کا شکوہ کرتے ہیں کہ فلاں نے مارا، فلاں نے دبایا، فلاں نے حق تلفی کی۔ بالکل غلط ہے! انہ کوئی حکومت کسی کا حق مارتی ہے، نہ کوئی معاشرہ، نہ کوئی انسان! بلکہ انسان خود اپنا حق مارتا ہے، اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے، جب ہم اپنے راستے سے ہٹ جائیں گے تو ذلیل ہوجائیں گے۔ اس لئے کہ ہر طرح کی عزت وکامیابی صرف اور صرف اسی راستے پر چلنے میں تھی جس سے ہم ہٹ گئے۔ دوسروں کو الزام دینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ اپنے اندر جھانک کر دیکھئے کہ ہم اس بات کے حقدار تھے یا نہیں، ہمیں اس کی سزا ملنی چاہئے تھی یا نہیں!! ہم کو کوئی حکومت، کوئی پارٹی سزا نہیں دیتی، سزا ہم اپنے آپ کو خود دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان کی وہ دولت دی ہے، ہمیں اسلام کا وہ معجزہ عطا فرمایا ہے جس معجزے کے ذریعے ہم پوری دنیا کو اسلام کے سائے تلے اور ایمان کی روشنی میں لاسکتے ہیں۔ جتنے مسائل آج دنیا کے اندر ہیں، چاہے انفرادی ہوں یا اجتماعی، سیاسی ہوں یا اقتصادی، ہم ان تمام مسائل کا حل دنیا کے سامنے پیش کرسکتے ہیں۔ اور اس دنیا کو امن و عافیت کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔ وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

دہشت گردی کے الزامات اور مسلمانانِ ہند☆

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم!

حضرات! میرے لئے باعث مسرت ہے کہ آپ حضرات وقت کی ایک اہم اور فوری ضرورت کے پیش نظر اس جلسہ کو منعقد کر رہے ہیں اور ملی حمیت اور غیرت دینی کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں، دل کی گہرائیوں سے یہ آرزو ہے کہ آپ کا یہ اجتماع ہر اعتبار سے کامیاب ہو اور اس کا پیغام نہ صرف عوام الناس اور کسی ایک محدود حلقے تک پہنچے، بلکہ ہمارے اس ملک کے ذمہ دار حضرات بھی اس کو اہمیت دیں اور ملک و وطن کی تعمیر و ترقی میں اس کو ایک اہم ذریعہ کی حیثیت سے دیکھیں اور اس عظیم ملک کے باشندوں کو متحد کرنے اور سب کو امن و امان کے سائے میں ایک خوشحال اور پرامن زندگی گزارنے کی راہ میں اس کو ایک سنگ میل بنانے کی ذمہ داری محسوس کریں۔

نوجوان ملک کا قیمتی سرمایہ

نوجوان طبقہ اس ملک کا اور دنیا کے ہر معاشرہ کا ایک بیش قیمت سرمایہ ہے، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اولاد کی تربیت کی اولین ذمہ داری والدین پر ہے، اور ان کے ذریعہ ایک خوشحال اور تعلیم یافتہ سماج قائم کرنے کی ذمہ داری، تعلیم اور تعلیم گاہوں اور وہاں کے اساتذہ پر ہے، لیکن اس سے کہیں زیادہ یہ ذمہ داری حکومت اور اہل حکومت کی ہے، تاکہ اس کے نتیجہ میں ایک ترقی یافتہ اور احساس ذمہ داری سے بھرپور دنیا کے نقشے پر ہمارا ملک ایک امتیازی شان رکھنے کے قابل ہو سکے اور دنیا کے دوسرے ممالک اس کو رشک کی نظروں

☆ دہشت گردی مخالف کانفرنس، الہ آباد اپریل ۲۰۰۸ء کے لئے ارسال کردہ پیغام

سے دیکھنے میں ایک لذت محسوس کریں۔

دہشت گردی معاشرہ کا رستا ناسور

دہشت گردی آج کا ایک خطرناک اور نہایت ہی مکروہ اور ناپسندیدہ رجحان ہے، اس کے شرعی، اخلاقی اور قانونی نقصانات بالکل واضح ہیں، یہ اللہ کی زمین میں فساد پھیلانے کے مرادف ہے، قرآن کریم کے رو سے ایسے اہل فساد کو جب زمین میں فساد پھیلانے سے روکا جاتا ہے تو وہ بے ساختہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، لیکن رب کریم نے ان کے اس بیان کی سختی سے تردید فرمائی اور آگاہ کیا کہ وہ دراصل فساد پھیلانے والے ہیں، لیکن ان کو اس کا احساس نہیں ہے، سورۂ بقرہ کی اس آیت کریمہ کو پڑھئے اور دیکھئے کہ قرآن کریم اس بارے میں کیا خبر دیتا ہے: وإذاقيل لهم لاتفسدوافي الأرض قالوا إنمانحن مصلحون، ألاإنهم هم المفسدون، ولكن لايشعرون . اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں، خبردار رہو! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور یعنی سمجھ نہیں رکھتے۔ (سورہ بقرہ: ۱۱-۱۲)

دہشت گردی عالمی سطح پر آج ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے کہ اس کا حل تلاش کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونے کے باوجود ایک لاینحل مسئلہ معلوم ہوتا ہے، اس ضمن میں کسی فرقہ، کسی مذہب اور کسی تہذیب کو متہم نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ برائی خواہ وہ کسی نوعیت کی ہو، اپنا کوئی مذہب نہیں رکھتی، اس لئے دہشت گردی جیسے گناہ کو متعین طور سے کسی گروہ کے سر تھوپنا یا کسی طبقہ کو اس کے اندر ملوث قرار دینا نہ صرف یہ کہ علم وحکمت کے خلاف ہے، بلکہ اس سے انسانی زندگی کے تمام انفرادی، اجتماعی، تمدنی اور عقیدہ کی وابستگی کے فطری طریقوں کو سخت دھچکا لگتا ہے، اور اس کی رہنمائی کرنے والے تمام افراد کو پست ہمتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسلام امن وسلامتی کا داعی

اگر آج کے انسان محض اپنے ذاتی مفاد کو پورا کرنے کے لئے پورے نظام کو تباہ کرنا اور اللہ کی مخلوق اور معصوم جانوں کو بے دردی اور درندگی کے ساتھ خاک وخون کے دریا میں

تڑپانا، انسانی تہذیب کا ایک لازمی جزء سمجھتے ہوں، تو ہم اس ناپسندیدہ برائی اور اس کا ارتکاب کرنے کی نہایت سختی سے تردید کرتے ہیں، اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ صرف قوم مسلم اس گناہ میں ملوث ہے، تو شاید یہ بات تاریخی حقائق کی روشنی میں کبھی بھی تسلیم نہیں کی جاسکتی، اس لئے کہ مذہب اسلام امن وامان اور صلح وآشتی کی تلقین پورے شدومد کے ساتھ کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں اس کی دعوت دی ہے، بلکہ امن وآشتی کی فضا قائم رکھنے کا حکم دیا ہے اور اس کے خلاف عمل کرنے کو شیطان کی پیروی کرنے سے تعبیر کیا ہے اور یہ بھی صراحت کردی ہے کہ شیطان ایک کھلا ہوا دشمن ہے، اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس شنیع اور بدنما چہرہ کو ہمیشہ کے لئے دفن کردیں تو سورۂ بقرہ کی آیت (۲۰۸) کو پڑھ کر دیکھیں: يأ يها الذين آمنوا ادخلوا في السلم كافة، ولاتتبعوا خطوات الشيطان، إنه لكم عدو مبين. (بقرہ:۲۰۸) اے ایمان والو! اسلام (جو سراپا امن ہے) میں سارے کے سارے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، کیوں کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے، اور دوسری آیت جس میں اہل ایمان کو خطاب نہیں کیا گیا ہے بلکہ عام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے سورۂ بقرہ کی آیت ۵-۲۰۴ ہے ملاحظہ فرمائیے: ومن الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا،ويشهد على ما في قلبه، وهو ألد الخصام، وإذا تولى سعى في الأرض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل، والله لايحب الفساد: بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کردیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے، جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی ونسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ فساد کو کسی حال میں پسند نہیں کرتا ہے۔

دہشت گردی کا ازالہ ایک مذہبی فریضہ

لہٰذا دہشت گردی کی کوئی صفت یا اس کا کوئی طریقہ کسی فرقہ یا کسی مذہب کے ماننے والوں میں پایا جاتا ہو تو اس کو روکنا اور اس سے باز رکھنا ہمارا مذہبی فریضہ ہے، ہم

امت مسلمہ کی حیثیت سے جس کو خیرامۃ کا لقب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اور ہدایت کا ذریعہ بنا کر اس دنیا میں اللہ کی طرف سے اس کو بھیجا گیا، اس کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے لوگوں کو روکے۔

انسانی جان کی توہین شیطانی عمل

کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی انسانی جان سے کھیلنا اور کسی معصوم جان کو فنا کے گھاٹ اتار دینا کسی بھی مذہبی نظام اور تہذیبی فلسفہ میں اس کی اجازت دی گئی ہے؟ اور جس سرزمین پر ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اور اس کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں، اس کو اس طرح کی شیطانی حرکتوں سے داغدار بنائیں اور ملک وملت کا خیال کئے بغیر ملت کی غلط ترجمانی اور ملک کی تعمیر وترقی کو روک کر اس کو تاریکیوں کے غار میں ڈھکیل دینا اور اس کو برباد کرنے کی نگرانی کرنا کسی بھی فرد بشر کا کام ہوسکتا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو یہ فطرت کی ترجمانی ہے، اور اگر کوئی شخص اس کو جائز سمجھتا ہے تو وہ درندوں اور جانوروں سے بھی زیادہ گیا گذرا انسان ہے، اور اس کے بارے میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کو پیش نظر رکھنا، دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ایک عظیم عبرت ہے۔

ولقد ذرأنا لجهنم كثيرا من الجن والإنس، لهم قلوب لايفقهون بها ولهم أعين لايبصرون بها، ولهم آذان لايسمعون بها، أولئك كالأنعام بل هم أضل، أولئك هم الغافلون۔ (سورہ اعراف:۱۷۹)

اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے، اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے، اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گئے گذرے اور گمراہ ہیں، دراصل یہی لوگ غافل ہیں، اس لئے کہ غافل انسان ہر طرح کی مصیبتوں اور آزمائشوں کا ذریعہ بنتا ہے۔

مادیت پسندی اوراخلاقی قدروں کازوال

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین، أما بعد :

زمانہ کی خطرناکی

حضرات، معززسامعین:

اس تغیر پذیر دنیا میں جہاں ہرطرف تہذیب وتمدن، علم وادب، فکروفن اورانسانی ترقی کے جدید ترین مسائل کا چرچا ہے، جہاں انسان انسان کے مقابلہ میں اور حکومتیں حکومتوں کے مقابلہ میں ایک دوسرے پرسبقت لے جانے کی کوشش میں مصروف ہیں اور تمام توانائیوں کے ساتھ اکیسویں صدی کی ترقیات میں بڑھ چڑھ کرحصہ لینے کی تیاریاں کی جارہی ہیں، وہیں انسان کی بیش قیمت زندگی کواورانسانیت کی اعلیٰ قدروں کو مادیت پسندی کا سیلاب اپنے تیز دھارے میں بہالے جانا چاہتا ہے، اخوت، ہمدردی، غمخواری وغمگساری، بےلوث محبت اورانصاف وشائستگی انسان کی عملی زندگی میں کوئی تعمیری کرداراداکرنے سے قاصر ہے، مال کی محبت اوراس سے والہانہ عشق انسان کواس کے بلند مقام سے گرانے کے عمل میں مصروف ہے، کہاں انسان کے پیدا کرنے والے پروردگار نے بنی نوع انسان کو"ولقد کرمنا بنی آدم ------"(اسراء:۷۰) یعنی ہم نے آدم کی اولاد کو عزت وعظمت سے نوازا، کا اعلان عام سنایا، اور کہاں انسان کواس لازوال نعمت سے محروم کرکے اسفل السافلین میں گرانے کی کوششیں ہورہی ہیں۔

تاریکی میں روشنی کی کرن

یہ ایک عجیب وغریب تضاد ہے جو زندگی کے تمام گوشوں پر چھایا ہوا ہے، ایک حساس اور باغیرت انسان سیرت کی تعمیر کے ساتھ عالم کی تعمیر میں مصروف ہونا اپنی سعادت ووفاداری کے اظہار کا ذریعہ تصور کرتا ہے، وہ مادی مسائل سے پوری طرح مستفید ہونے کے ساتھ روحانی اقدار اور انسانی رشتوں کو جلا بخشنے کی کوششوں میں ہمہ دم مصروف نظر آتا ہے، وہ انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے اور بنی نوع انسان کے لٹتے ہوئے سرمایہ کو محفوظ کرنے کی سعی پیہم میں مشغول رہتا ہے، دنیا میں خواہ کتنی ہی برائیاں پھیلی ہوئی ہوں، کتنے ہی گناہ سرِ بازار کئے جارہے ہوں، اور کتنی ہی بداخلاقیاں علی الاعلان ہورہی ہوں، لیکن اس تاریکی میں بھی روشنی کی کرن اور اس خودغرض ماحول میں بھی جذبۂ ایثار ومودت موجود ہے اور مادیت زدہ معاشرہ میں ایسے افراد کی کمی نہیں ہے، جن کے ہاتھوں عدل وانصاف، ایثار وسخاوت، ہمدردی واخوت اور محبت وتعاون کی فضا فروغ پاتی ہے اور خودغرض سوسائٹی میں بھی زندگی کی ایک نئی کرن نظر آتی ہے۔

مادیت کے سلسلے میں مادی زاویۂ نگاہ

لیکن ایک عمومی جائزہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ مادیت کی اس دوڑ میں کسی نہ کسی حدتک ہر شخص شریک نظر آتا ہے، اور حالات کے سامنے سپر ڈالتے ہوئے اپنے مادی مستقبل کو سنوارنے کی کوشش کررہا ہے، تاکہ وہ سوسائٹی میں اپنے بھرم کو قائم رکھ سکے، اور غربت وافلاس کے طعنوں سے محفوظ رہ کر زندگی کی سرگرمیوں میں برابر حصہ لے سکے، اور کوئی بھی حقارت کی نظر اس پر نہ ڈال سکے، ظاہر ہے اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے مادی وسائل کا سہارا لینا ایک ناگزیر ضرورت ہے، رسم ورواج کے بڑھتے ہوئے رجحان کو روکنا جب اپنی کمزوری کا اعلان کرنے کے مرادف سمجھا جاتا ہو، اور لوگوں کی نظروں میں وہ پسماندگی کی علامت قرار پاتا ہو تو لازمی طور پر مادی حیثیت سے اپنے آپ کو مضبوط کرنے کا جذبہ دلوں میں پرورش پاتا ہے

اور مادیت پسندی مقصدیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اور لوگ بے اختیار مادی ترقی کی راہیں ڈھونڈھنے لگتے ہیں اور ہر کام کے پیچھے مادی منفعت کا جذبہ کارفرما نظر آنے لگتا ہے۔

مغرب کی مادہ پرست تہذیب نے اس رجحان کو عام کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے، اور مادی منفعت اور تہذیبی ترقیوں کو تمام اخلاقی قدروں اور انسانی عظمت کے پیمانوں پر غالب کرنے کی سعی پیہم میں وہ پوری طرح مصروف ہے، جن انسانی معاشروں نے اس تہذیب کو اپنایا ہے اور بلا چون و چرا اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے، وہی سب سے پہلے اخلاقی زوال کا شکار ہوئے، اور ان کی نمائندگی کرنے والے افراد میں حد درجہ جنسی انارکی اور اخلاقی کمزوری کے نمونے پائے گئے، اور انسانی روابط و تعلقات کی بنیاد انسانی قدروں کے بجائے مادی منفعت پر قائم ہوئی اور کامیاب زندگی کا تصور مطلق العنان آزادی کو قرار دیا گیا۔

ایسی صورت حال میں مذہبی تعلیمات اور انسانی احساسات اپنا اثر کھو دیتے ہیں اور مادیت کے تیز رفتار طوفان میں ان کی آواز دب جاتی ہے اور مادہ پرست انسان جوش جنون میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جس کی توقع جنگل کے درندوں سے نہیں کی جا سکتی۔

مادہ پرستی نے نہ صرف مذہب بیزاری کو عام کیا، اور پرائیوٹ زندگی کے نام پر انسانی شرافت و مروت کا خاتمہ کیا، بلکہ مختلف النوع جرائم کی حوصلہ افزائی کی اور انسانی خون کے ساتھ انسان کی سب سے گرانقدر متاع، عزت و آبرو کو بھی بے قیمت بنا دیا، حقیر مفاد پرستی کی راہیں ہموار کی اور قریب ترین خونی رشتوں کو خواہشاتِ نفس کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا، باپ اور اولاد کے رشتے اور تمام خاندانی قرابتوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا، حقیر ترین مادی فائدے کی راہ میں ایک دوسرے کو قتل کرنا، بے آبرو کرنا اور ذلت و نکبت کی آخری حد تک پہونچا دینا روزمرہ کا معمول بن گیا۔

جدید نافع کا نمونہ

لیکن اس کے ساتھ مادی تہذیب کی کچھ خوبیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، خاص طور سے ذمہ داری کا احساس، وقت کی پابندی، وعدہ کا پاس و لحاظ اور ایمانداری کے ساتھ ڈیوٹی

کی انجام دہی، تہذیب مغرب کے وہ مثبت اور روشن پہلو ہیں جن کی تقلید دیارِ مشرق میں عام طور سے نہیں کی جاتی، اور جو لوگ اس مادی تہذیب کی مدح سرائی اور اس کی ثنا خوانی کرتے ہیں، وہ بھی اس کی قابل تقلید خوبیوں سے عام طور سے آنکھیں بند رکھتے ہیں، ان کی تمام تر توجہ ظاہری ٹیپ ٹاپ اور مادی چیزوں ہی پر مرکوز رہتی ہے۔ اور فسون افرنگ سے مسحور ہو کر وہ اس کے زبردست داعی اور نمائندے بن جاتے ہیں اور ایک کامیاب زندگی کا تصور مادی تہذیب کے ساتھ وابستہ کر دیتے ہیں، اس بنا پر ان میں مادیت پسندی اپنے آخری درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ اخلاقی زوال کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنے ماحول کو اسی نقطۂ نظر کا حامی اور گرویدہ بنا دیتے ہیں۔

مادی تہذیب کی بے بضاعتی

علامہ اقبالؒ نے اس مادی تہذیب اور اس کے پیدا کردہ مسائل کا تجزیہ اپنی کتاب ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' میں کیا ہے اور مادیت زدہ طبقے اور اس کے علمبرداروں کی بے بضاعتی اور ان کی اندھی تقلید کا ذکر کرتے ہوئے اس کو اس قوم کے لئے جو قیادت اور عالمی انقلاب برپا کرنے کے لئے پیدا کی گئی تھی، ایک ناقابل تلافی گناہ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

جو عالمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ
تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ
اس قوم کو تجدید کا پیغام مبارک
ہے جس کے تصور میں فقط بزم شبانہ
لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

ہمارے مشرقی ممالک میں خصوصاً برصغیر میں بسنے والے لوگ زیادہ تر احساس کمتری کے دباؤ سے مغرب کی مادہ پرست تہذیب کو رشک کی نظر سے دیکھنے لگے، اور آہستہ آہستہ اس کی نقل کا داعیہ دلوں میں پیدا ہوا، شروع میں انگریزی تعلیم کی طرف میلان ہوا، اور

انگریز کے بنائے ہوئے نصاب تعلیم کولوگوں نے گلے سے لگایا، جن لوگوں نے اس طرز فکر کو اپنانے میں سبقت کی وہ اہل ثروت و وجاہت، زمین دار اور تعلقہ دار طبقے کے لوگ تھے، ان میں بڑے لوگوں نے اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپ کی یونیورسٹیوں میں بھیجا، جہاں سے وہ صاحب بہادر اور بیرسٹر بن کر آئے، انہوں نے مادی تہذیب کو ذہنی طور پر قبول کرلیا اور زندگی کو اسی سانچہ میں ڈھالا، اور معاشرہ میں اپنی ایک نرالی شان پیدا کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ہم کو من حیث القوم اسی طرز زندگی کو اختیار کرنے اور اسی کے مطابق ذہنوں کو ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

مادیت اور ہمارا نوجوان

ہمارے ملک میں جوں جوں انگریزی تعلیم کا رواج بڑھا اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، عوام الناس میں بھی ذہنی تبدیلی آنا شروع ہوگئی اور مادیت پرستی کا رجحان ترقی کرتا گیا، اخلاقی قدروں سے بے اعتنائی برتی جانے لگی، اور قدیم تہذیب ومعاشرت کے اوپر سے اعتماد اٹھنے لگا، ہر قدیم طریقہ کو بدلنے اور جدیدیت کو رواج دینے کی تدبیریں مختلف طریقوں سے کی جانے لگیں، رہن سہن اور مکان ولباس، کھانے پینے کے انداز، گفتگو اور عام معمولات زندگی میں مادی تہذیب کا دخل شروع ہوگیا، زیادہ کمانے، دولت جمع کرنے، اچھا کھانے اور پہننے اور سوسائٹی میں نمایاں مقام حاصل کرنے کا عمل تیزی سے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ مذہب کی روحانی قدروں سے لوگ بیزار ہوگئے، اس پر مستزاد سائنس کی ترقی، علم جدید کا چیلنج اور ایجاد واختراع میں غیر معمولی پیش رفت، انسانوں کے لئے مادیت کی ایک نئی دنیا دریافت کرنے میں بہت زیادہ معاون ثابت ہوئی، اور اب سوائے مادیت پرستی اور اس کی راہ میں ہر طرح کی توانائیاں صرف کرنے کے کوئی چارۂ کار نہ رہ گیا، اور اس راہ میں ایک ریس (Race) شروع ہوئی اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا سلسلہ اس قدر دراز ہوا کہ مادیت پسندی ہی دراصل مقصد زندگی بن گیا۔

مادی وسائل کی فراوانی، مال ودولت کی ریل پیل، ٹکنالوجی اور صنعت کی بے حساب

ترقی اقوام مشرق کے لئے پیام رحمت نہ ثابت ہوسکی، بلکہ اس کے نتیجہ میں اخلاقی انحطاط شروع ہوگیا، اور جن باتوں کو معاشرہ میں لوگ عیب سمجھتے تھے وہ ہنر قرار پا گئیں اور جن حالات کو اخلاقی بیماریوں سے تعبیر کرتے تھے۔ ان کو غیر معمولی ذہانت کے نام سے یاد کرنے لگے، جہاں انصاف تھا وہاں ظلم، جہاں ہمدردی تھی وہاں بے رخی، جہاں محبت تھی وہاں دشمنی، جہاں نرم خوئی تھی وہاں درشتی اور سخت خوئی کا دور دورہ ہوگیا۔ اور اخلاقی زوال کے حدود اربعہ برابر پھیلتے رہے، یہاں تک کہ غیبت، چغل خوری، کذب بیانی، رشوت ستانی، تشدد اور عداوت، خیانت اور چوری ناجائز طریقوں سے مال و دولت کمانے کی حرص، یہ تمام برائیاں، معمولات زندگی میں داخل ہوگئیں اور بڑائی کی علامت شمار کی جانے لگیں۔

اور اب ذرا نوجوان طبقہ کو دیکھئے، اس کی نظروں میں اخلاق و شرافت کا معیار کچھ اس طرح قرار پاتا ہے کہ جو نوجوان تعلیم میں محنت کئے بغیر پاس ہوجائے، کسی صلاحیت کے بغیر اونچے تعلقات کی بنیاد پر کوئی سرکاری عہدہ حاصل کرلے وہ سب سے کامیاب اور اپنے ہم چشموں میں سب سے زیادہ قابل احترام ہے، اسی طرح جو نوجوان سب سے زیادہ فلموں سے واقفیت رکھتا ہو، فلمی ستاروں کے نام و کام سے باخبر ہو، سب سے زیادہ لڑنے بھڑنے اور اپنی بات کو منوانے کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ جینیس (Genius) سمجھا جاتا ہے، جو نوجوان آزادی کے غلط مفہوم کو رواج دیکر، ہر طرح کے جرائم میں حصہ لینا اپنی نوجوانی کی قیمت سمجھتا ہو، اور قانون سے اپنے آپ کو بالاتر تصور کرتا ہو، دنیا اس کو خراج تحسین پیش کرتی ہے اور مستقبل کا معمار اعظم جیسے لقب سے اس کو یاد کرتی ہے۔

یہ تھی مادیت پسندی کی مختصر الفاظ میں ایک کہانی، جو ہماری زندگی میں پوری طرح داخل ہوچکی ہے اور جس کا انجام آج اخلاقی انارکی اور انسانی قدروں کے زوال کی صورت میں ہماری نظروں کے سامنے ہے اور جو زبانِ حال سے بابر کو عیش کوشی کی دعوت دے رہی ہے۔

''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست''

روشنی کا مینار☆

ان الحمد للّٰہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارك وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً ، اما بعد

حضرات علماء کرام اور سامعین کرام!

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:"ان الدین عند اللّٰہ الاسلام"

حضرات!

اگر کوئی طریقۂ زندگی انسان کے لئے روشنی کا منارہ ہوسکتا ہے۔ظاہر ہے اللہ کا یہ فرمان اس قدر برحق ہے کہ اس کا تجربہ ہم نے کیا اور کرتے جارہے ہیں اور اس کی صداقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی سعادت بھی حاصل کر رہے ہیں۔اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔یہی وجہ تھی کہ اسلام کی عظمت کو دیکھ کر انسانوں کی بہت سے ایسی جماعتیں پائی گئیں، جو تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں۔

جنھوں نے اس بات کی کوشش کی کہ اسلام کے اس امتیاز کو ختم کردیں اور اس کا اثر جتنا بھی کم کیا جاسکے کیا جائے اور یہ سلسلہ ابتداء سے جاری ہے، خاص طور پر قوم یہود نے اس میدان میں جو منفی کردار ادا کیا وہ ہم سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

خیر امت

آج بھی یہ قوم (قوم یہود) اپنے اس عہد پر قائم ہے کہ اس اسلام کو جو خیر امت ہونے کی طاقت رکھتا ہے، اس کو ایک قدیم اور تاریک مذہب بتا کر اس عالمی قیادت پر

☆مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور، رائے بریلی میں ۲۰۰۲ء میں طلباء کے سامنے کی گئی تقریر

قبضہ کرنا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اس کو اتنا کمزور کردیا جائے کہ اس کی یہ صفت ختم ہو جائے اور مسلمان جن کو خیر امت سے یاد کیا گیا وہ اس کا خواب بھی نہ دیکھ سکیں اور اس راہ میں اس طاقت کے ساتھ دوسری طاقتیں ان کی ہمنوا ہوگئیں کہ مسلمانوں کو اس راستہ سے ہٹا دیا جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈالا ہے۔

حفاظت کا ذمہ

لیکن ان کے یہ منصوبے ابھی تک پورے نہیں ہو سکے اور اسلام کو دنیا میں آئے ہوئے ۱۴سو سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے اس لئے ہمیں اطمینان رکھنا چاہئے کہ اسلام کے خلاف جتنے بھی منصوبے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ اس لئے کہ اسلام کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے لیا ہے اور فرمایا" بسم اللہ ---انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون"۔

بالکل زیب نہیں دیتا

لیکن اس موقع پر یہ ضرور عرض کروں گا کہ اس وقت ہمیں اپنی ذمہ داری سے غافل ہو جانا بالکل زیب نہیں دیتا کہ ہم صرف صورت وشکل میں مسلمان بن جائیں، تو یہ ہمارے لئے کافی نہیں ہے اور نہ اس طرح ہم اپنے عظیم الشان مذہب اسلام کی تبلیغ کر سکتے ہیں۔

اس وقت جو کوشش ہونی چاہئے وہ ہمارے لئے ایک تحدی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ ہمارے لئے چیلنج ہیں، کس طرح ہمیں اس کی تیاری کرنی چاہئے۔

کیا ہم ان حالات میں ان کے سامنے سپر انداز ہو جائیں؟ ایسا تو کسی کے لئے بھی مناسب نہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو منفی کوششیں ہو رہی ہیں کہ ان کو اپنی غفلت سے پروان چڑھائیں گے یا ان پر غالب آنے کے لئے پوری توجہ مرکوز کریں گے اور سینہ سپر ہو کر ان کا مقابلہ کریں گے۔

بہت بڑا سوال

ہماری زندگی کے اندر جو خلاء پیدا ہو گیا ہے، زندگی کے عمل میں جو کمزوری آ گئی ہے

ان کے ہوتے ہوئے ہم نہیں سوچ سکتے کہ ہم اپنے عقیدے کو اور اپنی پختہ نمائندگی کو قائم رکھ سکیں گے، یہ بہت بڑا سوال ہے۔ اہل مدارس، اہل فکر اور اہل دعوت کے سامنے کیا ہم اپنی موجودہ صورت حال سے اپنے دشمن کے حملہ کو روک سکتے ہیں یا نہیں؟۔ ہمارے مخالفین ان تمام چیزوں سے پوری طرح واقف ہیں، جن کے ذریعہ وہ ہمیں کمزور کر رہے ہیں اور ہم کمزور ہوتے جا رہے ہیں اور مدارس سے وہ لوگ نہیں نکل رہے ہیں جو مقابلہ کر سکیں بلکہ ایک روٹین چل رہی ہے کہ مدرسہ کھل رہے اور چل رہے اور پھر سال کے اخیر میں بند ہو رہے ہیں۔

وجود خطرہ میں ہے

لہٰذا یہ لمحہ فکریہ ہے کہ اگر اس طرف توجہ نہ رہی تو ہمارے دین مستقیم کو اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے لئے باقی رکھیں گے یا نہیں؟ ہمارا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا اور اللہ کے لئے کوئی مشکل نہیں کہ اللہ ہماری جگہ ایسے لوگوں کو لائے جو اس دین کے لئے سینہ سپر ہوں گے۔ وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکون أمثالکم".

موقع کو غنیمت سمجھئے

جو لوگ بھی مدارس سے تعلق رکھتے ہیں یا مدارس سے متعلق قرار دیئے جاتے ہیں مجھے ان سے گزارش کرنی ہے کہ ہم صحیح نمونہ پیش کریں، ہم اس کے لئے وقت صرف کرتے ہیں، اپنی توانائیاں خرچ کرتے ہیں۔ لہٰذا اپنے مرتبہ ومقام کو پہچانیں کہ آپ کا مقام ایک داعی کا ہے، موقع کو غنیمت سمجھئے اور اپنی زندگی کی تعمیر از سر نو کریں، ہمیں علمی وعملی اعتبار سے پختہ ہونے کی اور عقیدے کے اعتبار سے عظیم ہونے کی ضرورت ہے، امر بالمعروف کی ذمہ داری اس وقت پوری کر سکتے ہیں جب ہم علم دین کے سرچشمے سے پوری طرح فائدہ اٹھائیں۔ لیکن آج صورت حال کچھ اس سے مختلف نہیں ہے کہ

صبح کرتے ہیں شام کرتے ہیں
زندگی یوں ہی تمام کرتے ہیں

لیکن آج ضرورت ہے کہ آپ اپنے اندر جوہر پیدا کرنے کی کوشش کریں، تاکہ لوگ آپ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں۔ ایک طرف اسلام کو مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے تو دوسری طرف لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہورہے ہیں۔ اس وجہ سے مسلمان سب سے بڑی امت ہے اور یہ اسی وقت ہوسکے گا جب ہم ان اوصاف سے پوری طرح متصف ہوں اور ہمارا یہ فائدہ متعدی ہو اور دور سے دور پہنچے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

ادب اسلامی اہمیت وافادیت☆

الحمد للّٰہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین ، وعلیٰ آلہ وصحبہ ومن اھتدی بھدیہ وعمل بسنتہ الی یوم الدین اما بعد:

رابطہ ادب اسلامی کے صدر عالی مقام!

حضرات مندوبین کرام! اصحاب علم ودانش! ارباب علم وفن! دانشوران ملت!

آپ آج اس عالمی رابطہ ادب اسلامی کے اٹھارہویں سمینار میں شرکت کے لئے تشریف لائے، اور آپ نے سفر کی مشقتیں برداشت کیں، آپ کا سفر کرنا اور سفر کر کے آنا یہ اسی وقت ہوسکتا تھا جب آپ کے ذہن میں اس سمینار کی مقصدیت کا تصور موجود ہو، مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو یہاں تشریف لانے اور اس سمینار میں شرکت کی توفیق عطا فرمائی، اور آپ کی تشریف آوری سے ہم کو سرفراز فرمایا، ہم کو بھی توفیق عطا فرمائی کہ آپ کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کرسکیں، تاکہ زندگی کی ایک بامقصد کوشش میں حصہ لینے کی سعادت حاصل ہوسکے، آپ سے مل کر ہمارے اندر خوشی ومسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

رابطہ ادب اسلامی کی تأسیس

ہمیں اچھی طرح یاد ہے ۱۹۸۱ء میں سالار قافلہ ادب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی دعوت پر اسلامی ادب کی نمائندہ اور اسلامی ادب کی چیدہ شخصیات پورے عالم اسلام سے اور پورے ہندوستان سے اسی ہال میں اسی مقام پر جمع ہوئی تھیں، اسلامی ادب کی صدا جو آج سے ۲۱ سال پہلے لگائی گئی وہ آج برگ وبار لا رہی ہے، چونکہ یہ ان کے دل سے

☆ رابطہ ادب اسلامی کے مذاکرۂ علمی منعقدہ ندوۃ العلماء ۲۰۰۲ء میں کلمۂ تشکر

نکلی ہوئی آواز تھی اسی لئے اس کا اثر ہوا، بلکہ عالم اسلام اور پوری دنیا کے مفکرین ادباء وزعماء نے ان کی اس آواز پر لبیک کہا، اور ان کے ذہنوں کے اندر اسلامی ادب کا جو محدود تصور تھا ان کو تنبیہ ہوا، آپ کو معلوم ہے کہ ادب ایک محدود تصور کے ماتحت اپنا عمل جاری رکھے ہوئے تھا، اس کو نہایت گھٹیا اور محدود مقاصد کے لئے استعمال کیا جارہا تھا، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ تصور کہاں سے آیا تھا؟ آپ کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ یہ تصور یورپ سے آیا تھا جس نے فلسفۂ یونان کے اثر سے ادب کو مذہب کی رہنمائی سے آزاد کر دیا تھا، ان کے ذہنوں میں ادب کا جو تصور تھا وہ چند ایسی چیزیں تھیں جن سے دل بہلانا اور (enjoy) تفریح حاصل کرنا اور فائدہ حاصل کرنا ہے، اس کے علاوہ اس کا نہ کوئی کام ہے نہ اس کا کوئی پیغام، جب آدمی کام کرتے کرتے تھک جائے اور اس کو کچھ تفریح کی ضرورت ہو تو اس کا استعمال کر لے اور ادب کی کتابیں پڑھ لے، یا ادب کو اس وقت اپنی زندگی کے اندر داخل ہونے کا موقع دے، حالانکہ ادب کا یہ محدود تصور نہیں تھا بلکہ ادب کا وہ آفاقی تصور، ادب کا وہ عظیم تصور، ادب کا وہ ہمہ گیر تصور جس کو حضرت مولاناؒ نے سب سے پہلے پیش کیا، وہ تصور بیدار ہوا، اور ایک ادبی بیداری پیدا ہوئی، اس زمانہ میں ادب کا جو خیال تھا، جو تصور تھا، ایک محدود طبقہ نے ادب پر اپنی اجارہ داری قائم کر لی تھی اور اس کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم ادب کے علم بردار ہیں، ہم ہی ادب کے نمائندے ہیں، اور ادب وہ ہے جو ہماری زبان پر جاری وساری ہے، اور ہمارے قلم سے جو بات لکھ دی جائے وہی ادب ہے، اور اس اجارہ داری کی اس منحوس فضا سے مجھے آپ اجازت دیں تو میں کہوں کہ اجارہ داری کی لعنت سے حضرت مولاناؒ نے ادب کو اپنی کوشش سے نکالا، اور بتایا کہ ہر انسان کا حق ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو اور اپنے خیالات کو مذہب کی رہنمائی میں دنیا کے سامنے پیش کرے، یہی محدود تصور ادب کا وہ جاہلی تصور تھا جس میں وہاں کے ادباء اپنے کو سب سے عظیم شخصیت سے تعبیر کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ساری دنیا ہمارے سامنے بہری اور گونگی ہے، ہم ہی صرف اس کے نمائندے ہیں، ہم ہی اس کو چلا سکتے ہیں ہمارے علاوہ کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ

ادب کا علم اپنے ہاتھ میں لے، اور ادب کی نمائندگی کرے۔

ادب کا آفاقی تصور

حضرات!

آپ جانتے ہیں کہ اس وقت اگر ادب بلیغ نازل نہ ہوا ہوتا تو وہ علیٰ حالہٖ اپنے فخر و پندار میں مشغول و منہمک رہتے، لیکن قرآن کریم کی شکل میں جب ادب معجز نازل ہوا تو انہیں محسوس ہوا کہ ہم جس ادب کے نمائندے تھے وہ اگر چہ بہت ہی عظیم ادب تھا، جس سے پوری دنیا ناآشنا تھی جس سے ساری دنیا محروم تھی، وہ بہت محدود تصور تھا، درحقیقت وہی ادب ادب کہلانے کا مستحق ہے جو کتاب اللہ کے اندر آیا ہے، ادب تو یہ ہے جس کے سامنے ہم بالکل گونگے اور بہرے ہیں جو پوری دنیا کو بہرہ اور گونگا کہہ رہے تھے، وہ خود اس کے سامنے بہرے اور گونگے ہو گئے، انہوں نے اس کے سامنے سپر ڈال دی، اور یہ ماننے پر مجبور ہو گئے کہ اس کلام کے سامنے ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے، اور ہمارا کلام بالکل بے قیمت ہے۔

رابطہ ادب اسلامی کا ایک انقلابی قدم

حضرات! میرے نزدیک رابطہ ادب اسلامی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ادب کی اجارہ داری کو ختم کیا، اور ادب میں جو محدودیت تھی اس کو مخصوصیت کی روح سے بدل دیا، دوسری چیز یہ ہے کہ ادب اسلامی نے لوگوں کی رہنمائی کی اور بتایا کہ بے مقصد ادب کوئی اہمیت نہیں رکھتا، زندگی کے بازار میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے، کردار کے بازار میں اس کی اہمیت نہیں ہے، اور اس کا نہ کوئی مستقبل ہے، اور نہ اس کی صحیح سمت ہے، جو بے مقصد ادب تھا اس کو با مقصد بنانے کے لئے یہ ادب اسلامی وجود میں آیا، اور یہ رابطہ ادب اسلامی جو آپ دیکھ رہے ہیں اس سمت پوری طرح آگے بڑھ رہا ہے، اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کر رہا ہے، ادب کو احتکاری سمت سے نکالنا ہی ادب اسلامی کا اولین مقصد ہے، ادب نہ کسی کی میراث ہے اور نہ کوئی اس کا ٹھیکیدار ہے اور نہ کوئی اجارہ دار، بلکہ یہ عام چیز ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خلق الانسان علمه البيان کہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور ادب کی طاقت عطا فرمائی، بیان کی

طاقت عطا فرمائی، یہ تو ہر انسان کا طبعی اور فطری حق ہے، اس فطری حق کو اگر ہم محدود کر دیں اور دوسرے لوگوں کو اس سے محروم کر دیں تو یہ بہت بڑا ظلم ہوگا اور بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔

تعمیری ادب کی ضرورت

میرے بھائیو اور دوستو!

اس وقت آپ کے سامنے جو دور ہے اس میں یورپ بہت آگے بڑھ رہا ہے اپنی علمی اور سائنسی کوششوں میں، اور ٹیکنالوجی جو اس دور کا ذہن اور مزاج بن گیا ہے، اور انٹرنیٹ ایج (internet age) بن گیا ہے، پہلے (scientist age) سائنٹسٹ ایج تھا، تو انٹرنیٹ ایج میں ہمارا فرض اور ہماری ذمہ داری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ادب عالی کی جگہ ادب سافل سے اور نہایت ہی گھٹیا قسم کے ادب سے زندگی کو روشناس کرائیں، اور زندگی کو اس کے ماتحت کر دیں، بلکہ ہمارا فرض ہے کہ اس ادب کو ادب عالی بنا کر دنیا کے سامنے پیش کریں اور اس ذریعہ ابلاغ کو ہم اس بڑے مقصد کے لئے استعمال کریں، ایسا نہ ہونا چاہئے کہ ہم کوشش کر کے چھوڑ دیں کہ دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں گے، وہ حاسدین اور وہ مفسدین جو دنیا کو زیروزبر کرنا چاہتے ہیں، اور زندگی کو بے قید بنانا چاہتے ہیں، اور انسانوں کے تعلق کو مذہب سے ہٹانا چاہتے ہیں، ان کے سامنے ہمیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ہم اس کے ذریعہ دنیا کو ایسا ادب دیں گے جو تعمیری ادب ہوگا، زندگی کی تعمیر جدید کرے گا، انسانوں کے مستقبل کو بنائے گا، جو انسان کا کردار بنائے گا اور جو انسان سے ملائے گا وہ ادب جو انسانوں کو اللہ سے ملائے گا، ہم اس ادب کی آبیاری کریں گے، اس ادب کی سربراہی کریں گے، اس ادب کو مقصد جاں بنائیں گے، اور اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگائیں گے۔

مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو رابطہ ادب اسلامی سے وابستہ ہونے اور اس کے ساتھ تعاون کرنے اور اس کے پروگرام میں شریک ہونے کی توفیق عطا فرمائی، آپ حضرات کا بہت شکر گزار ہوں کہ باوجود یہ کہ موسم بہت سخت تھا آپ کی تشریف آوری ہوئی، بس اس پر اکتفا کرتا ہوں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

علم دین ایک نعمت الٰہی ☆

الحمد للّٰہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین،
وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین اما بعد :

مخدوم ومعظم حضرت پیر جی صاحب دامت برکاتہم جو اس علاقے کے جید اور بڑے عالم اور مربی اور مسلمانوں کے مسائل کی فکر کرنے والے اور ان کو ہر طرح سے فائدہ پہنچانے کی فکر میں دن ورات مشغول رہنے والی شخصیت کے مالک ہیں، اور دیگر علماء کرام جو ہمارے اس جلسے میں تشریف فرما ہیں۔

عزیز بھائیو! بزرگو اور دوستو!

مجھے بہت شرمندگی ہے کہ میرے بارے میں جو خیال فرمایا گیا حقیقت میں میرے اندر اس کا کوئی شائبہ بھی موجود نہیں ہے، میں بہت ہی معمولی قسم کا طالب علم ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ شاید ایسے ہی کسی موقع پر گویا میرے ہی لئے ایک عربی شاعر نے یہ شعر کہا تھا۔

یـأیهـا الـرجـل المعلم غیره
هـلا لـنـفسك كـان ذا التعلیم
ابـدأبـنـفسك فانهها عن غیها
فـاذا انتهـت عـنه فأنت حكیم
لاتـنـه عـن خـلـق وتأتی مثله
عـار عـلیك اذا فـعـلت عظیم

☆ ہریانہ پنجاب کے ایک مدرسہ میں کی گئی تقریر، جس کے ذمہ دار حضرت حافظ حسین پیر جی صاحب مدظلہ ہیں۔

''اے شخص! جو دوسروں کو سکھانا چاہتا ہے جو دوسروں کو سکھانے کی کوشش کر رہا ہے اپنے کو سکھانے کا قصد کیوں نہیں کیا کیونکہ تمہارے اندر بہت سی کمیاں ہیں، بہت سے عیوب ہیں، بہت سے نقائص ہیں۔ ان نقائص اور ان عیوب کو دور کرنے کی فکر کیوں نہیں تم نے کی، تو کہا کہ پہلے اپنے آپ کو تعلیم دو اور اپنی خرابیوں کو دور کرو، تمہارے نفس کے اندر جو گمراہی، جو خرابی ہے اس کو دور کرو اور جب تمہارا نفس ٹھیک ہو جائے تو سمجھ لو کہ تم عقل مند ہو، صاحب حکمت ہو اور یہ فرمایا کہ لا تنہ عن خلق وتأتی مثلہ اپنے کسی شخص کو روکو خواہ کسی عادت یا بات سے روکو اور خود وہی کام انجام دو خود وہی کام کرو ایسا کسی بھی شخص کے لئے زیب نہیں دیتا جو اپنے آپ کو معلم کے درجے میں رکھنا چاہتا ہے اور دوسروں کو سکھانے کی کوشش میں مصروف ہے''

میں اپنے اوپر اس شعر کو پورے طور پر اور صد فی صد منطبق پاتا ہوں۔

اسلام اور علم

اس لئے میں آپ حضرات سے یہ کہوں گا کہ ہمیں اور آپ سب کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اسلام ایسا مذہب ہے جس نے سب سے پہلے تعلیم کا علم بلند کیا اور پہلی وحی جو نازل ہوئی حضور ﷺ کے اوپر وہ یہی وحی تھی کہ:

"اقرأ باسم ربك الذی خلق ، خلق الانسان من علق ، اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم" کہ سب سے پہلے حضورؐ پر جو وحی نازل ہوئی اس میں تعلیم کا ذکر، علم کا ذکر اور پڑھنے اور لکھنے کا ذکر کیا گیا اور آپؐ سے فرمایا گیا کہ آپ پڑھئے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تو پڑھا لکھا ہوں نہیں "ما أنا بقاری" میں پڑھنا لکھنا نہیں جانتا پھر یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے کسی مدرسہ میں بیٹھ کر علم نہیں حاصل کیا، لیکن اس کے باوجود آپ تمام معلموں اور تمام اساتذہ کے استاذ اور تمام علماء کے سردار اور سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو وہ علم وحکمت عطا فرمایا تھا جو کسی کو حاصل نہیں ہوا، اسی لئے یہ حقیقت ایک معجزہ ہے حضور اکرم ﷺ کا کہ باوجود

اس کے کہ آپ امی تھے لیکن آپ تمام عالم کے معلم تھے، اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو وہ خصوصیت عطا فرمائی جو دوسرے انبیاء کو نہیں حاصل ہوئی۔

ہمارا فرض منصبی

اس لئے میرے بھائیو اور دوستو! علم کی طرف توجہ کرنا، تعلیم کو پھیلانا، تعلیم کو عام کرنا، اس کو دوسروں تک پہنچانا، اس کے لئے ادارے قائم کرنا، اس کے لئے فکر کرنا، اس کے لئے تعلیمی مراکز بنانا، اس کی جماعت تیار کرنا، تعلیم دینے والوں کی جماعت تیار کرنا اور مدرسے قائم کرنا اور بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم کرنا لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے یہ سب سے بڑا اسلامی کام ہے، جو رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے عطا کیا گیا، یہی منصب سب سے پہلے آپ کو سپرد کیا گیا کہ آپ لوگوں کو سکھانے والے ہیں، آپ معلم کائنات ہیں، معلم البشر ہیں، عالم بشر کے، تمام انسانوں کے معلم ہیں۔ اس لئے ہم کسی ایسے جلسہ میں شرکت کرتے ہیں جو تعلیم کے نام پر منعقد کیا جاتا ہے جس میں تعلیم اور علم کا ذکر ہوتا ہے تو بہت مبارک جلسہ ہے اور جب اس کو منعقد کرنے والے خود بہت بڑے عالم ہوں اور وہ علم کی فکر میں شب و روز سرگرداں رہتے ہوں اور تعلیم کو عام کرنے اور تعلیم کو پھیلانے کے لئے ان کے اندر ایک ایسا جذبہ موجزن ہو کہ کبھی بھی وہ اپنے دل کے اندر سے فکر کے دور ہو جانے یا چین سے بیٹھنے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں کر پاتے، اس لئے کہ علم کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جب تک کہ آدمی اس کے اندر پوری طرح سے اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اپنی تمام توانائیوں (energies) کے ساتھ اور اپنے تمام وسائل کے ساتھ اس کے اندر نہ لگا رہے تو اس وقت تک وہ علم حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ لوگوں تک علم پہنچ سکتا ہے، اسی لئے سب سے پہلا ہمارا فرض منصبی یہ ہے کہ ہم علم حاصل کریں اور ہم علم کو دوسروں تک پہنچائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "من سلك طريقا ، يبتغي فيه علما، سهّل الله له طريقا الى الجنة " اور فرمایا "ان الملائكة لتضع أجنحتها لطالب العلم رضا بما صنع " اور فرمایا کہ "وان العالم يستغفرله كل من في السمٰوات حتى الحيتان في الماء و النملة في جحرها " اور فرمایا

"مثل العالم علی العابد کمثل القمر علی سائر الکواکب" اور فرمایا کہ "العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما وانما ورثوا العلم فمن أخذہ أخذ بحظ وافر". فرمایا کہ جوکوئی علم حاصل کرنے کے لئے نکلتا ہے یا کوئی راستہ اختیار کرتا ہے یا سفر کرتا یا چلتا ہے، علم کی تلاش میں نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔

اب دیکھئے یہاں پر آپ پڑھے لکھے لوگ ہیں کہتے ہیں کہ ایک اسم ہوتا ہے نکرہ اور ایک اسم ہوتا ہے معرفہ۔ نکرہ اصل ہے اور معرفہ اس کی فرع ہے "رجل" جب کہیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہی اصل ہے اور جب اس کو "الرجل" کہہ دیں تو اس کو گویا کہ آپ نے محدود کر دیا "رجل" نکرہ ہے وہ عام ہے اور "الرجل" محدود ہو گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے جب فرمایا "من سلك طریقا ، یبتغی فیه علما " اس کے اندر آپ نے نکرہ کا لفظ استعمال کیا کہ جوکوئی آدمی نکلتا ہے کسی علم کے حاصل کرنے کے لئے، کسی بھی علم کے حاصل کرنے کیلئے، علوم تو سارے اللہ کے ہیں، جس چیز پر بھی علم کی تعریف صادق آئے، چاہے کائنات کا علم ہو، اور کتاب وسنت کا علم تو اصل علم ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو نازل ہی اس لئے کیا کہ اس کو پڑھیں، ہم اس کو سمجھ کر اس کے مطابق اپنی زندگی بنائیں، لیکن اس کے علاوہ اور بھی جو علوم ہیں جو کائنات سے تعلق رکھتے ہیں اللہ کی نشانیوں سے تعلق رکھتے ہیں، دنیا کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلوق کے لئے جو نشانیاں پیدا کیں ہیں، ان سے تعلق رکھتے ہیں اور جس کو سائنس کہتے ہیں اور سائنس (science) سے تعلق رکھتے ہیں، ٹیکنولوجی (technology) سے تعلق رکھتے ہیں، کمپیوٹر کی ایجادات آپ دیکھ رہے ہیں یہ کس سائنس کا نتیجہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اگر علم نہ دیا ہوتا تو کیسے وہ کمپیوٹر (computer) ایجاد کر سکتا تھا، کس طرح سے وہ بازار میں انٹرنیٹ (internet) لا سکتا تھا اور لوگ اس کو خرید کر اس سے فائدہ کس طرح اٹھا سکتے تھے۔

لہٰذا اسی لئے حضورؐ نے فرمایا کہ جوکوئی آدمی کسی بھی علم کی تلاش میں نکلتا ہے تو اللہ

تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ آپ تو علم دین حاصل کرنے کے لئے نکلے ہیں تو آپ تو بدرجہ اولیٰ جنت کے حق دار اور آپ جنت میں سب سے پہلے جانے والوں میں ہوں گے لیکن جو بھی کوئی علم حاصل کرنے کے لئے نکلے گا، کسی قسم کا علم ہو جس سے انسان کی زندگی کو فائدہ پہنچتا ہے اور انسان کی زندگی کے لئے وہ علم ضروری ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس علم کے حاصل کرنے والے کو بھی جنت میں پہنچاتے ہیں اور جنت کا راستہ اس کے لئے آسان کر دیتے ہیں۔ اتنی بڑی بشارت کے بعد بھی اگر ہم یہ سوچیں کہ تعلیم کے موضوع پر کیا بات کریں، مدرسے تو موجود ہی ہیں اور بڑی تعداد میں ہیں، اور تعلیم حاصل کرنے کے لئے لوگ دوسرے ممالک بھی جاتے ہیں اور بہت سی یونیورسٹیاں قائم ہیں، بہت سے مدرسے قائم ہیں، بہت سے تعلیمی کے مراکز قائم ہیں یہ ساری چیزیں موجود ہیں اس کے باوجود کیا ضرورت ہے کہ ہم الگ سے اس کا کوئی جلسہ کریں، نہیں، اس کا الگ سے جلسہ کرنا بھی ہمارے اسی علم کی تلاش کے اندر داخل ہے آپ جو علم مدرسوں کے اندر پڑھ رہے ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس بات کی فکر بھی کی جائے کہ آپ علم صحیح طریقہ سے حاصل کریں اور آپ کے لئے علم حاصل کرنے کے جو وسائل ہو سکتے ہیں آپ کے لئے فراہم ہوں اور وہ مہیا کئے جائیں اور آپ اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں۔

بنیادی تعلیم اور اس کی اہمیت

لہٰذا یہ دینی تعلیمی کونسل کی ایک مجلس ہے جو دینی تعلیمی کونسل کے نام سے دینی تعلیم کو عام کرتی ہے، بچوں کو خاص طور سے بنیادی تعلیم دینے کے لئے ان کے یہاں نصاب موجود ہے کہ بچوں کو دینی تعلیم پہلے دی جائے اور ایسی تعلیم دی جائے جو ان کے بنیادی عقائد سے ان کی زندگی کی بنیاد سے تعلق بھی رکھتی ہو اور ان کی زندگی کی بنیاد اس پر قائم ہو اور ان کے عقائد درست ہوں وہ سمجھیں کہ ایمان کیا چیز ہے، اسلام کیا چیز ہے اور حضور ﷺ کی تشریف آوری تمام نبیوں کے جو خاتم الانبیاء تھے ان کی تشریف آوری سے ہم کو کیا فائدہ پہنچا اور اب کیوں نہیں کوئی نبی آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہم کو کس طرح کرنی چاہئے

اور ہم کس طرح اللہ سے اپنا تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ یہ تمام باتیں جن کو علم کے حاصل کئے بغیر آپ نہیں سمجھ سکتے اور نہ اس کو انجام دے سکتے ہیں۔ اس لئے جو بھی طریقے علم کے اور تعلیم کے نام سے ایجاد ہوں اور جو بھی جماعت قائم ہو اور جو بھی مدرسہ قائم ہو جو بھی جامعہ قائم ہو جو لوگ بھی اس کے اندر مشغول ہوں اور اپنا وقت علم کے نام پر صرف کر رہے ہوں، کام کر رہے ہوں وہ بہت قابل مبارک باد ہیں، آپ سب کا علم کے راستے میں چلنا، علم کے راستہ میں تھکنا، علم کے راستہ کے اندر مشقتوں کو برداشت کرنا، علم کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا اور بنیادی چیزوں کو حاصل کر کے پھر اس کے اندر اپنی زندگی کا محل تعمیر کرنا یہ سب سے بڑی اور اہم چیز ہے جب اس کی طرف آپ توجہ کریں گے تو آپ دنیا کے بہت بڑے آدمی ہوں گے اور سب سے فائق ہوں گے، وہ منصب ہوگا معلم کا منصب، حضور ﷺ نے فرمایا "انما بعثت معلما" کہ میں معلم بنا کر کے اور استاذ بنا کر بھیجا گیا ہوں، آپ بھی حضور ﷺ کی سنت کے اوپر عمل کریں چھوٹے معلم آپ بھی بنیں اور ایک چھوٹے سے استاذ آپ بھی بنیں اور آپ بھی لوگوں کو سکھائیں اور اپنے حدود کے اندر رہ کر کے اپنے لوگوں کو سکھائیں، ان کو بتائیں کہ علم کی کیا اہمیت ہے، علم کے بغیر انسان بالکل اپنے مقصد سے دور ہے اس کو معلوم نہیں کہ اس کی زندگی کا کیا مقصد ہے، اس کو کچھ بھی اس بات کا شعور اور احساس نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو انسان پیدا کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک مسلمان کے خاندان اور گھرانے میں پیدا کیا ہے اور تربیت کے لئے مدرسہ میں اس کو داخل کیا، مدرسہ میں جا کر وہ علم حاصل کر رہا ہے، ان تمام باتوں کا احساس ہونا چاہئے میں اپنے چھوٹے بچوں کو زیادہ اس بات کی طرف توجہ کرنے کے لئے کہوں گا کہ آپ یہ سوچو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک ایسے ماں باپ کے ذریعہ ایک ایسے خاندان میں پیدا کیا کہ جہاں پر لوگ ایماندار تھے اور مسلمان تھے یہ بھی ہو سکتا تھا کہ غیر مسلم خاندان میں پیدا ہو جاتے تو پھر کیا ہوتا بت پوجتے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تو اس بات کا شکر ادا کرو کہ اللہ نے تم کو ایک مسلمان کے گھر میں پیدا کیا اور مسلمان بھی ایسے کہ وہ اپنے بچوں کو دین کی تعلیم دلانا چاہتے ہیں اور ان کو

علم حاصل کرانا چاہتے ہیں اور اس کے بعد پھر ان کے لئے مشقت برداشت کرتے ہیں سب کچھ کرتے ہیں ان کے لئے خرچ کرتے ہیں اور ان کی طرف پوری توجہ کرتے ہیں، اور ہر وقت فکرمند رہتے ہیں کہ میرا بچہ کیا پڑھ رہا ہے اور جس مدرسہ میں اس کو داخل کیا ہے وہاں کے ذمہ دار حضرات سے وہ آکر ملتے رہتے ہیں تاکہ ان کے بچے کو زیادہ سے زیادہ علم حاصل ہو اور بڑے سے بڑا آدمی بن سکے لیکن اگر آپ اس کی طرف توجہ نہیں کریں گے تو کامیابی کیسے ملے گی؟!

تعلیم میں یکسوئی

میرے بھائیو! اس لئے پڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ پوری دلجمعی کے ساتھ علم کی طرف اپنے آپ کو متوجہ کرو اور جتنی بھی محنت کر سکتے ہو کرو، تعلیم کے لئے تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر اتنی محنت کرنی پڑے تعلیم کے لئے کہ صحت خراب ہونے لگے تب بھی کوئی پرواہ نہ کرو، بلکہ محنت کرو علم حاصل ہو جائے گا پھر صحت مند ہو جاؤ گے اگر طالب علمی کے زمانے میں تم کو اتنی محنت کرنی پڑ رہی ہے کہ تمہاری صحت کمزور ہو رہی ہے تو کوئی فکر کی بات نہیں بعد میں جب علم حاصل کر لو گے، ایک بڑے آدمی بن جاؤ گے تو تمہاری صحت اچھی ہو جائے گی۔ انشاء اللہ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ لیکن علم کے راستہ میں نکل کر کے اپنے استاذوں سے نہ سیکھنا اور اس کے لئے محنت نہ کرنا اور اس کی طرف توجہ نہ دینا اور اپنے آپ کو اور اپنے مستقبل کو بنانے کی فکر نہ کرنا اور ایک بڑا آدمی بننے کی تمنا نہ رکھنا یہ ہمارے لئے کسی طرح سے زیب نہیں دیتا۔

علم ترقی کی شاہ کلید

علم کے ذریعہ ہی آدمی بڑا بنتا ہے علم نہ ہو تو کچھ نہیں، ایک جاہل اور آپ میں کیا فرق رہ جائے گا اگر آپ مدرسہ میں رہ کر بھی علم حاصل نہیں کر رہے ہیں اور ایک جاہل جو اپنے کاموں میں مصروف ہے، اپنا کام انجام دے رہا ہے، اور ذمہ داری سے انجام دے رہا ہے تو آپ میں اور اس میں کیا فرق ہے بلکہ وہ زیادہ قابل رشک ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو صحیح طریقہ پر انجام دے رہا ہے، باہر کی دنیا میں رہ کر اپنے معاش کا انتظام کر رہا ہے، اپنی زراعت کا

انتظام کررہا ہے، ان تمام چیزوں کا انتظام کررہا ہے اور اس میں پوری طاقتوں کا استعمال کررہا ہے، اس میں رات دن لگا رہتا ہے اور اس بات کی فکر نہیں کرتا کہ اس کے کپڑے میلے ہوگئے پھر جلدی نئے کپڑے پہنے، وہ اس اس بات کی فکر نہیں کرتا کہ اس کے ہاتھ مٹی میں سن گئے اور اس کو جلد از جلد اچھے پانی سے صاف ستھرے پانی سے، صابن سے اس کو دھولے، اس بات کی فکر نہیں کرتا بلکہ اس میں وہ لگا رہتا ہے، لیکن ہم اپنے بڑے بڑے ذی استعداد اساتذہ کے ساتھ رہ کر ان کی موجودگی میں علم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تو دینی تعلیمی کونسل کا الحمدللہ ابھی حضرت والا کے ذریعہ سے یہاں پر ایک خاص مقام ہے اور لوگ اس کو پہچانتے ہیں اور اس کے مقصد کو سمجھتے ہیں کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ کس قدر مفید ہے، مسلمانوں کے بچوں کو بنیادی تعلیم دینے کے راستے میں اس کی کتنی ضرورت ہے اور اس کو عام کرنا کتنا اہم اور کتنا ضروری ہے اور کس قدر اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ محبوب مشغلہ ہے اور محبوب چیز ہے۔

لہٰذا جو بھی اس کام کو اپنے ذمہ لے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں برکت عطا فرمائے گا اور دوسروں کے بچوں کی بنیادی تعلیم کی فکر میں لگ جائے گا تو اس سے بڑا خیر خواہ، اس سے بڑا عالم، اس سے بڑا ذمہ دار، اس سے بڑا آپ کا سردار کون ہوسکتا ہے۔

تحصیل علم کے چند آداب

اس لئے آپ اس بات کی طرف توجہ کریں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو موقع دیا ہے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں اور فائدہ اٹھا کر آپ اپنے آپ کو اس کام کے لئے تیار کیجئے اور اپنے اساتذہ کی نقل کیجئے کہ جس طرح آپ کے اساتذہ محنت کررہے ہیں آپ بھی بڑے بن کر کے اس سے زیادہ محنت کرنے کی کوشش کریں اور آپ اس دنیا کو علم کی روشنی سے بالکل منور کردیں اس کا تہیہ کیجئے اور اس کو اپنے گرہ کے اندر باندھ لیجئے کہ آپ کو یہ کرنا ہے جب یہ آپ گرہ میں باندھ لیں گے تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کے عزم کو پورا کریں گے اور ایک بہت بڑی ہستی بن کر دنیا کے سامنے آئیں گے اور لوگ آپ کی باتوں سے آپ کی ذات سے، آپ کے فرمان سے، آپ کی گفتگو سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے۔

اہل علم کی چند فضیلتیں

حضور ﷺ نے جو یہ فرمایا تو یہ کوئی ایسی معمولی بات نہیں ہے کہ وہ آپ نے فرمادیا اور آپ نے سن لیا، پڑھ لیا اور ختم ہو گیا اور اس کے بعد فرمایا کہ عالم کے لئے دنیا میں تمام چیزیں جتنی بھی چیزیں ہیں آسمان اور زمین کے اندر جتنی بھی چیزیں ہیں، عالم کے لئے مغفرت کے دعا کرتی ہیں۔ علم حاصل کرنے والے کے لئے، علم طلب کرنے والے کے لئے، علم سکھانے والے کے لئے، علم سیکھنے والے کے لئے، علم کا چرچہ کرنے والے کے لئے، علم کو پھیلانے والے کے لئے سمندر کے اندر مچھلیاں بھی اور اپنی چھوٹی بلوں کے اندر چونٹیاں ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور فرمایا کہ عالم کا مرتبہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے چاند دوسرے ستاروں کے مقابل میں، عالم کا مرتبہ عابد کے مقابلے میں یعنی عبادت کرنے والے کے مقابلے میں ایک آدمی جو دن رات عبادت کرتا ہے اور ایک شخص ہے جو علم کا درس دیتا ہے لوگوں کو اور علم کی روشنی پھیلاتا ہے تو فرمایا کہ علم کی روشنی پھیلانے والے اور علم کا درس دینے والے شخص کا مرتبہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں عبادت کرنے والوں کے مقابلے میں بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ چاند دوسرے ستاروں کے مقابلے میں، چاند کتنا روشن ہے، کس قدر خوبصورت ہے، کس قدر بلند ہے، کس قدر اس کی روشنی ٹھنڈی ہے، کتنا فائدہ پہنچتا ہے، جب چاندنی رات ہوتی ہے تو آپ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور اس کی طرف دیکھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جب عالم اور عابد کا یہ فرق بتایا تو عالم اور عابد اگر دونوں چیزیں جمع کرلیں عالم بھی ہے اور عابد بھی ہے تو نور علی نور ہے۔

یہ کہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ عبادت کی فکر کرنے والا اور عبادت میں مشغول رہنے والا علم کا درس دینے والا علم لوگوں تک پہنچانے والا، علم کی فکر کرنے والا اور اس کے رقبے کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے والا اور اس کے ساتھ عبادت کے اندر سب سے زیادہ پابند اذان سنی، مسجد میں حاضر اور کوئی نیک کام ہوا تو سب سے آگے، کسی کی خیر خواہی کا مسئلہ ہو تو سب سے زیادہ اور سب سے بڑے خیر خواہ، کسی کو مدد پہنچانے کا کام ہوا تو سب سے

آگے، یہ ساری چیزیں آپ کے موجود ہیں۔ لہٰذا آپ عالم بھی بنیں اور عابد بھی بنیں تاکہ آپ کو دونوں کا مرتبہ حاصل ہو جائے، دونوں کی عزت آپ کو حاصل ہو اسی لئے یہ علم کا جو چرچہ ہے، علم کے لئے جو مدارس بن رہے ہیں اور جو بن چکے ہیں، مدارس میں پڑھنے کا جو آپ کو موقع مل رہا ہے، مدارس میں آکر آپ جو کچھ سیکھ رہے ہیں یہ سب بہت ہی زیادہ قابل رشک ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان گھرانے میں پیدا کیا اور ایسے ماں باپ کے درمیان پیدا کیا جو آپ کی تعلیم کی فکر میں دن ورات لگے رہتے ہیں اور وہ آپ کے لئے فکر مند ہو کر خرچ کرتے ہیں آپ کو خود بھوکے رہ کر آسودہ کرنا چاہتے ہیں، خود ان کے کپڑے زیادہ قیمتی نہ ہوں لیکن آپ کو قیمتی کپڑا پہنانا چاہتے ہیں کیونکہ آپ علم حاصل کر رہے ہیں، آپ طالب علم ہیں یہ وہ چیز ہے جس کی طرف توجہ کرنا چاہئے اور جو بھی موقع ملے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے، ایسا نہیں کہ آپ نے کہا کہ چھ بجے تک تعلیم ہوتی ہے اور بس چھ سے بارہ تک درجہ میں بیٹھ گئے اس کے بعد کچھ نہیں چھ سے بارہ نہیں، بلکہ چوبیس گھنٹے آپ طالب علم ہیں چوبیس گھنٹے آپ کو محنت کرنی پڑے گی، سونا بھی کم کر دیجئے، سونا کوئی بہت ضروری نہیں ہے، سونا تو اس لئے ہے کہ آپ صحت مند رہ کر کے زیادہ سے زیادہ علم کے راستے میں محنت کریں اس کی طرف توجہ کریں اگر آپ سوتے بہت کم ہیں اور پڑھتے بہت زیادہ ہیں تو یہ بہت مبارک بات ہے ہر آدمی اس کی تعریف کرے گا لیکن اگر آپ نے کہا کہ چھ گھنٹے پڑھائی اس کے بعد جو چاہو کرو، گھومو، کھاؤ، پیو اور ادھر ادھر مٹر گشتی کرو اور جو چاہو کرو، یہ نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ پھر اس سے آدمی کو بلند مرتبہ حاصل نہیں ہوتا، بلند مرتبہ تو اس کو حاصل ہوتا ہے جو کہ اپنا سارا وقت اس کے اندر لگا دیتا ہے اور اپنے وقت کی قیمت اور اپنے وقت کی قدر کرتا ہے اور وقت ہی دراصل سب کچھ ہے اگر وقت کی قدر نہ کرے تو آدمی کچھ نہیں کر سکتا، وقت کی قدر کرے تو بہت کچھ کر سکتا ہے، تھوڑے وقت میں بہت بڑا کام کر سکتا ہے اور اگر وقت کی قدر نہیں کر رہا ہے تو بہت طویل گھنٹوں میں اور چوبیس گھنٹوں میں اور اڑتالیس گھنٹوں میں اور ہفتے بھر میں اور مہینے بھر میں وہ کوئی کام نہیں

کرسکتا اور اس طرح اگر اس کو وقت کی قیمت کا اندازہ ہو، وقت کی قدر کرے تو تھوڑے وقت میں، گھنٹے بھر میں وہ کام کرلے گا جو کئی گھنٹوں میں نہیں ہوسکتا۔

علم ہی عمل سکھاتا ہے

میرے بھائیو اور عزیزو! علم کا جو ثمرہ ملے اس ثمرہ پر نظر رکھو اور علم کو اس طرح حاصل کرو جیسے علم تمہارے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور تمہارے لئے ضروری قرار دے دیا کہ بغیر علم کے تمہارا اعتبار نہیں، اگر علم حاصل نہ کروگے تو تمہیں کوئی نہیں پوچھے گا، علم حاصل کروگے تو ہر جگہ تمہارا اعتبار، ہر جگہ تمہاری تعریف ہوگی، ہر جگہ تم سے لوگ سیکھیں گے، ہر جگہ لوگ تم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے، یہ ساری چیزیں حاصل ہوں گی، اسی لئے کیونکہ یہ جلسہ تعلیم اور علم کے موضوع پر ہو رہا ہے، اسی وجہ سے میں نے یہ آپ کے سامنے ٹوٹی پھوٹی باتیں علم کے بارے میں بیان کردی ہیں وقت چونکہ زیادہ ہو چکا ہے اس لئے مزید کچھ کہنا آپ کیلئے بھی زحمت کا باعث ہوگا، تھکان کا باعث ہوگا، اور میرے لئے مزید یہ کہ آپ کا وقت ضائع کروں اور آپ کو کوئی فائدہ نہ ہو، مجھے کوئی فائدہ نہ ہو۔ اس لئے اس پر اکتفا کردینا ہی زیادہ بہتر ہے اور آیئے ہم اور آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو علم کی دولت سے بہرہ ور فرمائے اور علم کے ساتھ ساتھ عمل بہت ضروری ہے اگر علم سیکھا اور عمل نہیں تو کوئی فائدہ نہیں۔

علم ہی عمل سکھاتا ہے اگر علم نہیں حاصل کیا تو عمل کیسے کرسکتے ہیں اس لئے ان تمام پہلوؤں پر نظر رکھیں ابھی سے نظر رکھئے تو آپ آگے چل کر مستقبل کے بہت بڑے انسان بنیں گے، بڑے آدمی بنیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ سے بڑا کام لے گا اللہ تعالیٰ اپنے دین کا کام لے گا، اپنے کلمہ کو بلند کرنے کا کام لے گا لوگوں کی اچھی تربیت کا کام لے گا اور کتاب وسنت کے علوم کی نشر اشاعت کا کام لے گا انشاء اللہ بس انہیں چند الفاظ پر بہت بہت شکریہ کے ساتھ اپنی بات کو ختم کرتا ہوں اور شکر گذار ہوں کہ آپ حضرات نے میری ٹوٹی پھوٹی

باتوں کی طرف توجہ کی۔

مجھے امید ہے کہ اس کے بعد بھی آپ سے اللہ تعالیٰ نے ملاقات مقدر فرمائی تو میں آپ کو اچھی حالت میں اور بڑے عالم کی حیثیت سے دیکھنے کی تمنا رکھوں گا، میں اس عزت افزائی کے لئے حضرت پیر جی دامت برکاتہم اور دیگر اہل علم کا بہت ممنون ہوں، جنہوں نے اپنا قیمتی وقت اس مجلس میں صرف کیا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین أما بعد: قال اللّٰہ تعالی: یا ابراھیم قد صدقت الرؤیا، إنا کذلك نجزي المحسنین.

کامیابی کی مختلف شکلیں

ہزاروں سال پہلے جب دنیا تہذیب وتمدن کے لفظ سے بھی نا آشنا تھی اور زندگی گزارنے کے آداب اور طور طریقے انسانوں کی دسترس سے باہر تھے اس وقت بھی اس دنیا میں زندگی کو کامیابی اور خوشحالی سے ہمکنار کرنے کا جذبہ موجود تھا اس جذبہ کو بروئے کار لانے کے لئے انسانوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق کوششیں کیں، کسی نے دوسروں کو خوش کر کے اپنے اس جذبہ کو تسکین دی، کسی نے دوسروں پر اعتماد کر کے کامیابی حاصل کی، اور کسی نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر اپنے آپ کو کامیاب اور خوشحالی کا حق دار قرار دیا، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی جنھوں نے کامیابی حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ پر اعتماد کیا اور اپنی ذاتی کوشش وطاقت کی بنیاد پر کامیاب انسان بنے، انہوں نے اس راہ میں کبھی اپنا قیمتی وقت لگایا، کبھی اپنے مال ومتاع کو صرف کیا کبھی اپنی خواہشات کو قربان کیا، اور کبھی اپنی محبوب اولاد اور اپنی عزیز جان کو اس راہ میں پیش کر دیا، اور کامیابی نے ان کے قدم چومے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی

اسی طرح کا ایک واقعہ آج سے تقریباً تین ہزار آٹھ سو سال پہلے حضرت ابراہیمؑ کے

ساتھ پیش آیا، انھوں نے اپنے پروردگار سے تعلق قائم کیا تو اپنے ماحول سے، اپنے گھر بار اور اپنے ماں باپ سے منہ موڑ کر وہ اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگ گئے، اور سب سے الگ ہو کر اپنی راہ الگ بنالی، وہ ہر قیمت پر اپنی زندگی کو کامیابی سے ہمکنار کرنا چاہتے تھے وہ زمانہ کی رو سے ہٹ کر ایسا راستہ اختیار کر رہے تھے جو قربانیوں کا راستہ تھا جہاں کسی بڑے مقصد کے حصول کے لئے ماحول و خاندان اور مال و دولت سے لے کر اولاد تک قربان کر دینے میں کوئی تردد نہیں ہوتا، انھوں نے ماحول سے بغاوت کا اعلان کیا اور حق کی راہ میں ہر طرح کی آزمائش کے لئے تیار ہوئے وہ اپنے ارادہ میں اتنے پختہ تھے کہ ان کی قوم نے ان کو آگ میں ڈالا تا کہ وہ اس عقیدہ کو چھوڑ دیں، انہوں نے آگ میں جل کر مقصد پر قربان ہو جانا قبول کر لیا اور اپنی قوم کی راہ پر واپس جانا منظور نہیں کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگ کا الاؤ ان کے لئے گل وگلزار بن گیا اور ان کو سزا دینے والی قوم اس منظر کو دیکھ کر حیران رہ گئی، شاعر نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلیل اللہ کا لقب عطا فرمایا اور اس لقب کو مزید پختہ کرنے اور ان کے عقیدہ محبت کو زیادہ سے زیادہ استوار کرنے کی خاطر خواب میں ان کو حکم دیا کہ تم اپنے لخت جگر اسمٰعیل کو خدا کی راہ میں قربان کر دو، خلیل اللہ نے اپنے فرزند کو خوشخبری دی کہ تم کو خدا کی راہ میں قربان ہونا ہے، اور وہ ان کو لے کر ایک سنسان مقام کی طرف روانہ ہوئے تا کہ محبت کی قربان گاہ پر ان کو بھینٹ چڑھا دیں۔

حضرت ابراہیمؑ محبت کے امتحان میں کامیاب ہوئے، آزمائش نے ان کو کامیابی کی مبارک باد دی اور قربانی کی چھری بچے کے گلے پر چلنے کے بجائے دنبے کی گردن پر چلی، بلکہ درحقیقت خواہشات نفس کی گردن پر، باطل اور ظالم ماحول کی گردن پر، غیر اللہ کی محبت پر چلی، شیطان رسوا ہوا اور ایمان کی جیت ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ کی یہ ادا ان کے رب کو اتنی پسند آئی

کہ سنت ابراہیمی کے نام سے اس کو زندہ جاوید بنادیا، اور سال میں ایک مرتبہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو اس سنت کی یادگار منانے کے لئے جانوروں کی قربانی واجب قرار دے دی گئی۔

یہی وہ قربانی ہے جو عید الاضحیٰ کے دنوں میں پوری دنیا میں کی جاتی ہے اور اسی بنا پر اس عید کو ہم عید قرباں کے نام سے یاد کرتے ہیں، قرآن کریم نے اس واقعہ کی تصویر کچھ اس طرح کھینچی ہے۔

فلما أسلما وتله للجبين ونادياه أن يا ابراهيم ، قد صدقت الرؤيا ، انا كذلك نجزى المحسنين ، ان هذالهو البلاء المبين وفدينا ه بذبح عظيم وتركناعليه فى الآخرين ، سلام علىٰ ابراهيم كذلك نجزى المحسنين

(الصّٰفّٰت ۱۰۲۔۱۱۰)

''جب وہ دونوں (ابراہیم واسماعیل علیہما السلام) اللہ کے حکم کے سامنے سرنگوں ہوگئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹادیا (تاکہ گردن پر چھری چلادیں) اور اسی وقت ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، اور ہم اسی طرح اپنے وفادار اور سچے بندوں کو بدلہ دیتے ہیں، تم اچھی طرح جان لو کہ یہ ایک بڑی آزمائش ہے، پھر ہم نے ان کو ایک قربانی فراہم کردی (دنبے کے ذریعہ) اور ان کا ذکر خیر بعد میں آنے والوں کے لئے باقی رکھا، سلامتی ہو ابراہیم پر، اسی طرح ہم نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔''

ابراہیمؑ کا زمانہ دراصل مادیت کے عروج کا دور تھا، لوگ اس وقت سوائے مادیت کے کسی اور چیز سے واقف ہی نہیں تھے، اس پر تقدس اور عقیدت کا ایسا رنگ چڑھ چکا کہ اس نے خدا کا درجہ حاصل کرلیا تھا، اور خدا کا تصور دلوں سے نکل چکا تھا، جو کچھ دنیا میں ہورہا تھا وہ سب انسانی طاقت اور مادیت کا کرشمہ سمجھا جاتا تھا، ہر طرف نفس پرستی کا چرچہ تھا، اور انسان اپنے مقام سے بہت نیچے گر چکا تھا، وہ اخلاق کی دولت سے محروم اور ایمان کی نعمت سے ناآشنا

تھا، ایسے سنگین ماحول میں ابراہیمؑ نے انقلاب کا نعرہ بلند کیا، نفس پرستی کے خلاف آواز اٹھائی اور ایک خدا کے سامنے جھکنے، اس کی عبادت کرنے اور اس کے لئے جینے اور مرنے کی دعوت دی اور اعلان کیا کہ:۔

"ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریك له وبذلك امرت وانا اول المسلمین"۔(الانعام)

"میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور مرنا سب اسی خدا کے لئے ہے جو سارے جہاں کا رب ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی کا مجھ کو حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں قربانیوں کا تسلسل

حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی قربانیوں کا ایک سلسلہ ہے لیکن جو قربانی سنت ابراہیمی کے طور پر عیدالاضحیٰ کے دنوں میں انجام پاتی ہے، وہ اصل میں رمز ہے اس بات کا کہ انسان اپنے خدا کے سامنے ایک تابعدار بندہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اس کی ہر چیز حتیٰ کہ اس کی جان اس کا مال اس کی اولاد بھی خدا کی ملکیت ہے وہ جب چاہے اسے واپس لے سکتا ہے اور جب بندہ کے دل میں یہ بات جاگزیں ہو جائے کہ اصل اطاعت اسی وقت متحقق ہو سکتی ہے جب انسان اپنی زندگی کے سارے معاملات اور ذرہ ذرہ کو خدا کی اطاعت وبندگی کے حوالے کر دے اور ہر حال میں شکر گزار بن کر رہے، اس وقت وہ ایک مثالی انسان قرار پاتا ہے اور اپنے ماحول کے لئے نمونہ بنتا ہے۔

قربانی کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ہم عیدالاضحیٰ کے موقع پر کوئی جانور ذبح کر کے یہ سمجھ بیٹھیں کہ کام پورا ہو گیا بلکہ قربانی دراصل نام ہے اللہ کے حکم کی بجا آوری، اس کے نبی کی سنت سمجھ کر صدق دل اور رضائے الٰہی کی نیت سے خون کا تحفہ پیش کرنا، خود قرآن میں قربانی کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ

"لن ینال اللہ لحومها ولا دماؤها ولکن یناله التقویٰ

منکم "۔ (سورہ حج:۳۷)

''اللہ کو قربانی کے گوشت اور خون کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے دلوں میں خدا کا خوف اور لحاظ پیدا ہو۔''

بہت سے لوگ قربانی کے بارے میں غلطی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جانور ذبح کر لینا ہی اصل مقصود ہے اور اس کے بغیر عید کی خوشی مکمل نہیں ہو سکتی، کچھ لوگ عید کی خوشی سے زیادہ قربانی کے گوشت سے خوش ہوتے ہیں ان کے نزدیک عید کے لوازمات میں بندگی اور اخلاص کا اظہار داخل ہی نہیں ہے، وہ صرف نئے کپڑے پہننے عمدہ کھانے سیر و تفریح میں وقت گزارنے ہی کو اصل عید کی خوشی سمجھتے ہیں، حالانکہ قربانی کا صحیح مفہوم اگر ان کے ذہنوں میں ہو تو وہ زیادہ سے زیادہ اظہار بندگی اور خاکساری کو خدمت خلق اور دوسروں کو خوش کرنے غریبوں کی مدد کرنے اور حاجتمندوں کی ضرورت پوری کرنے کو قربانی کے مرادف تصور کریں۔

انسانی زندگی مسلسل قربانیوں کا مجموعہ

قربانی ہمیں بتاتی ہے کہ انسان کی زندگی مسلسل کاوشوں کا نام ہے، مسلسل جدوجہد اور پیہم نشاط و حرکت کا نام ہے، مقصد جتنا عظیم الشان ہوگا قربانی بھی اسی قدر بڑی ہوگی، اور جدوجہد کا سائز بھی اسی کے مطابق ہوگا، جو لوگ مقصدیت کی روح سے معمور ہوتے ہیں وہ قربانی کے جذبہ سے بھی بھرپور ہوتے ہیں، جن قوموں نے دنیا کی تاریخ میں شاندار اضافے کئے ان کی تاریخ قربانی کے بڑے بڑے واقعات سے معمور ہے اور ان کے کارنامے تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔

کسی بھی فاتح قوم کو لیجئے اور اس کے افراد کی زندگیوں کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ کتنے اولوالعزم تھے کتنے مخلص تھے اور اطاعت و قربانی کا جذبہ ان کے اندر کس طرح رچا بسا ہوا تھا اسی لئے ان کے حوصلے ہمیشہ بلند رہے اور ان کے کارنامے نہایت حیرت انگیز ثابت ہوئے، شاعر نے انہیں کے بارے میں کہا ہے۔

اولوالعزمان دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

قربانی کا مفہوم اگر مقصد کی راہ میں قربان ہونے اور بڑے مقصد کے حصول کے لئے محبوب سے محبوب ترین چیز کو خرچ کر دینے کا نام ہے، تو مفہوم نیت کی سچائی اور ارادہ کی پختگی اور جدو جہد میں اخلاص و دیانت داری سے حاصل ہوسکتا ہے بشرطیکہ ہم اپنی زندگی کے تمام گوشوں کو ان خوبیوں سے مزین کریں اور پوری جرأت و بیباکی کے ساتھ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر کے ان کو ختم کرنے کا عہد کریں اور قربانی کے سچے جذبہ سے اپنے دلوں کو معمور کریں تا کہ زندگی میں خوشی اور امن و عافیت کی فضا پیدا ہو، اور عزت و عظمت کی بلندی تک پہنچ کر دنیا میں زندہ قوموں کی طرح زندہ رہنے کا حق حاصل کر سکیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

اصلاح معاشرہ: وقت کی ایک اہم ضرورت ☆

الحمد للّٰہ حمداً کثیراً طیباً مبارکا فیہ ، والصلاۃ والسلام علی سید نا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین ۔ أعوذباللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم :یآیھا الذین آمنوا اتقواللّٰہ حق تقٰتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم اذ کنتم أعداءً فألف بین قلوبکم فأصبحتم بنعمتہ اخوانا و کنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فأنقذکم منھا کذلك یبین اللّٰہ لکم آیاتہ لعلکم تھتدون.

حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسار پوری، حضرت مولانا مفتی محمد الیاس صاحب مہتمم مدرسہ بیت العلوم پپلی مزرعہ ہریانہ۔ حضرت مولانا محمد مسعود عزیزی صاحب بانی مرکز احیاء الفکر الاسلامی ۔ حضرت مولانا محمد طاہر صاحب بانی وناظم ادارہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلوکر، اہل علم ومعرفت، اخلاق کے نمائندہ حضرات، تمام علمائے کرام، مہمانان عالی مقام، حاضرین عظام، طلبائے کرام، میرے بھائیو اور دوستو!

جلسے کی حاضری باعث سعادت

مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلوکر کے اس اہم علمی پروگرام اور تعلیمی اجلاس میں آج

☆ مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلوکر سہارنپور کے تعلیمی اجلاس ۳۰ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ مطابق ۳ اپریل ۲۰۰۳ء کی تقریر

ہمیں اکابر علمائے کرام سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہورہا ہے اور ان حضرات کی مفید نصیحتوں، قیمتی باتوں کو سننے کا موقع اور ان کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہونے کی سعادت وتوفیق بھی حاصل ہورہی ہے۔ میری مراد وہ حضرات علمائے کرام ہیں جو حضرت مولانا محمد طاہر صاحب قاسمی کی دعوت پر مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ میں تشریف لائے ہیں یا لانے والے ہیں یہ ہم سب پر اس ادارہ کے بانی وناظم مولانا محمد طاہر صاحب کا احسان عظیم ہے کہ انھوں نے ہمیں یہ مبارک ومسعود موقع فراہم کیا کہ ہم حضرات علمائے کرام اور اہل اللہ کی زیارت سے شرف یاب ہوسکیں اور ان کی قیمتی باتیں سن سکیں۔

عہد جاہلی میں دنیا کی حالت

میرے بھائیو! آج کے اس عظیم الشان اجلاس میں مجھے آپ حضرات کی توجہ تاریخ کے اس پچھلے دور کی طرف مبذول کرانی ہے، جسے پندرہ سو سال پہلے کا دور کہا جاسکتا ہے جس کا تعلق صرف جزیرۃ العرب سے ہی نہیں تھا بلکہ اس کا تعلق ساری دنیا سے تھا اور وہ زمانہ پوری انسانیت پر اثر انداز تھا، دنیا میں تہذیبیں موجود تھیں۔ مشرق میں ایرانی تہذیب اور مغرب میں رومی تہذیب۔ یہ دونوں تہذیبیں اپنے عروج پر پہنچی ہوئی تھیں۔ جزیرۃ العرب میں بھی ان تہذیبوں کا اثر کسی نہ کسی حد تک موجود تھا خاص کر تجارتی اور اقتصادی میدان میں لوگ ان تہذیبوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا رہے تھے۔

دوستو! اس دور کا سب سے بڑا المیہ یہ تھا کہ ان تہذیبوں کے باوجود انسان کو صحیح معنوں میں اپنی انسانیت کی نمائندگی کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ انسان یا تو اپنی انا ''تکبر'' اپنی طاقت ومالداری یا اپنے تہذیبی ورثہ کی بنیاد پر اپنے آپکو بہت بڑا سمجھتا تھا، بلکہ درجہ الوہیت تک اپنے کو پہنچانے کا تصور رکھتا تھا۔ یا دوسرے کمزور انسانوں کے ساتھ جانوروں کا سا معاملہ کیا جاتا تھا۔ یہ چھٹی صدی عیسوی اور ساتویں صدی عیسوی کے پہلے دور کا واقعہ ہے کہ جب دلوں سے انسانیت کا تصور نکل چکا تھا اور لوگ من مانی زندگی گزار رہے تھے، دور دورہ

صرف ایک چیز کا تھا، جس میں ان کی ساری توانائیاں صرف ہو رہی تھیں اور جس میں وہ پوری طرح ڈوبے ہوئے تھے اور جس کو وہ اپنا سرمایۂ حیات سمجھتے تھے، اسی کو وہ کامیابی کا راستہ سمجھتے تھے، اس پر مکمل اعتماد کرتے تھے اور اسی کے لئے وہ قیمتی سرمایہ اور سب کچھ قربان کر رہے تھے وہ تھی غیر اللہ کی عبادت اور وہ تھی بت پرستی، بت پرستی ہی کو فروغ دینے اور تقویت پہنچانے اور بت پرستی کو آگے بڑھانے اور بت پرستی کو فلسفہ زندگی بنانے کے لئے وہ اپنی ساری قوتیں، اور زیادہ سے زیادہ اپنی توانائیاں صرف کر رہے تھے، اسی کے اندر ڈوبے ہوئے تھے اور اس کے نتیجہ میں ان کے اندر جو صفات پیدا ہوگئی تھیں وہ انسانی صفات سے کسی بھی طرح میل نہیں کھاتی تھیں اسی کے نتیجہ میں ان کے اندر نہایت سخت دلی پیدا ہوگئی تھی جس کی وجہ سے وہ جنگ وحرب کے عادی ہوگئے تھے اور بغیر اس کے وہ اپنی زندگی میں کوئی سکون محسوس نہیں کر پاتے تھے اسی کے نتیجہ میں وہ ایک دوسرے سے شدید اختلاف رکھتے تھے جس کے سبب آپسی رسہ کشی اور باہمی رقابت ودشمنی ان کا طرۂ امتیاز بن گئی تھی، اسی کو قرآن کریم نے اپنے بلیغ ترین انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔ "واذکروا نعمة الله علیکم اذ کنتم أعداءً فالف بین قلوبکم فأصبحتم بنعمته اخوانا" کہ اللہ کے احسان کو یاد کرو اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ باپ بیٹے کا دشمن تھا، بھائی بھائی کا دشمن تھا، قبیلہ قبیلہ کا دشمن تھا۔ جنگ کے وہ اس درجہ عادی ہوگئے تھے کہ اگر ان کو کوئی دشمن نہ ملتا جس سے وہ جنگ کرتے اور جو جنگ ان کا امتیازی وصف تھا اس کو پورا کرنے کے لئے موقع نہ ملتا تو وہ اپنی زندگی کو ناقص تصور کرتے اور صرف یہی نہیں بلکہ برائیاں اپنے عروج کو پہنچ چکی تھیں اخلاقی رزائل اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ فحش، زنا کاری اور شراب نوشی عام تھی، کسی بھی کام میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے.....

اسلام کا آفتاب ہدایت

اسی ماحول میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول کو مبعوث فرمایا، اور فرمایا :

"یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون". اے ایمان والو! لحاظ کرو اللہ کا جیسا کہ اس سے لحاظ کرنے کا حق ہے اور ڈرو اس سے ایسا جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ موت آئے تم کو مگر صرف اس حالت پر کہ تم مسلمان اور موحد ہو، اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں جو عداوتیں اور دشمنیاں ہیں ان کو ختم کرو، اگر تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو گے تو یہ بدترین حالات خود بخود ختم ہو جائیں گے اور پھر یاد دلایا اللہ نے کہ وہ دل جو ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے اللہ نے ان کو محبت و اخوت پر مجتمع فرما دیا، اب ایسا اختلاف و انتشار نہ رہا جس کا اس سے پہلے مظاہرہ ہوا کرتا تھا اسی وجہ سے آپؐ جب دنیا میں تشریف لائے تو سب سے پہلے اخوت و بھائی چارگی کی دعوت دی اور جو اخلاقی برائیاں ان کے اندر پیدا ہو گئی تھیں اور ان کی زندگی کا جزء بن چکی تھیں ان برائیوں سے انہیں روکنے اور باز رکھنے کی کوشش کی۔

بنیادی امراض کا ازالہ

اس کے لئے آپؐ نے ان بنیادی باتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی جن سے یہ برائیاں جنم لیتی ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو یہ پیغام دیا جو حدیث شریف میں مذکور ہے۔ "ایاکم والظن فان الظن أکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا تحسسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخواناً" بدگمانی سے بچو، اس لئے کہ اس سے بڑھ کر کوئی جھوٹ نہیں ہے جو ہم کو قعر مذلت میں نہ ڈال دے، بدگمانی کی وجہ سے جو طرح طرح کی برائیاں ہمارے اندر داخل ہو جاتی ہیں اور دشمنی اپنے عروج کو پہنچ جاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے ہوتے ہیں تو ہم یہ خیال کر بیٹھتے ہیں کہ شاید یہ تو ہمارے ہی بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے دلوں میں نفرت اور بعد پیدا ہو جاتا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ ایک دوسرے کا تجسس بھی نہ کرو کہ اس سے دلوں میں دراڑ پیدا ہو جاتی ہے، پھر دل نہیں ملتے ایسے ہی آپؐ نے فرمایا کہ ایک دوسرے کے کاروبار اور دیگر نعمت کو دیکھ کر حسد نہ کرو اور ایک دوسرے

سے بغض بھی نہ رکھو کہ یہ انسان کو ہمیشہ ہمیش کے لئے ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہے اور دلوں کے شیشوں کو چکنا چور کر دیتا ہے۔ اور کسی کے پیچھے نہ پڑو کہ اس کی ہر بات کی تحقیق شروع کر دو، اس طور پر کہ تم دو روز سے کہاں تھے۔ ایک مومن کے لئے یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ آپ ﷺ نے دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا "کلکم من آدم و آدم خلق من تراب لا فضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی و لا لابیض علی اسود و لا لاسود علی ابیض الا بالتقویٰ" کسی کو ایک دوسرے پر برتری حاصل نہیں ہے، تم سب آپس میں اولاد آدم ہو اور آدم کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا لہٰذا تم میں سے کسی کو ایک دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ کا تقویٰ اس کے دل کے اندر ہو، جس کے اندر جتنا اللہ کا تقویٰ ہوگا وہی افضل ہوگا اصل پیمانہ برتری کا یہ ہی تھا اسی کو اللہ نے اپنے بلیغ انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ "یآیھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم" تو جو پیمانہ ہے آدمی کی عظمت کا اس کی بلندی کا، صحیح انسان ہونے کا، بھائی چارگی اور اخوت کے جذبے کا، وہ ہے اللہ کا لحاظ، اللہ کا تقویٰ، جب اللہ کا تقویٰ انسان کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو وہ تمام چیزوں سے مستغنی اور بے نیاز ہو جاتا ہے پھر وہ نام و نمود کے چکر میں نہیں رہتا۔

قابل رشک معاشرہ

برادران اسلام! اس وقت کے معاشرہ کو جس چیز کی ضرورت تھی آپ ﷺ نے اسی کی طرف توجہ دلائی۔ آج ہمارا معاشرہ انتہائی طور سے بہت بگڑا ہوا ہے۔ آج نہیں جب بھی معاشرہ بگڑتا ہے تو وہ اسی پیمانہ سے ٹھیک ہو سکتا ہے، یہ ایسا پیمانہ ہے جو ہمیشہ ہمیش قائم رہنے والا ہے، اس پیمانہ کو اختیار کر کے ہم ایک قابل و کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں اسی کو اللہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے "و لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون" ایسے لوگوں کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ رنج و غم۔ یعنی جن کے دلوں کے اندر اللہ کا تقویٰ اور خوف موجود ہے وہ بے خوف و خطر زندگی گزارتے ہیں۔ یہ حال ان کا دنیا میں ہوتا ہے اور آخرت کے متعلق اللہ

نے فرمایا: "ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ أن لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون" بے شک جن لوگوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جم گئے اور انہوں نے اسی کے مطابق اپنی زندگی کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیا ان پر بار بار فرشتے نازل ہوتے ہیں، وہ فرشتے ان سے یوں کہتے ہیں کہ اب تم کو کسی قسم کا خوف وخطر نہ ہوگا۔ اب تم کو بہترین زندگی حاصل ہوگئی یعنی جنت کی خوش خبری حاصل کرو، جس کا تم وعدہ کیا گیا جاتا تھا۔

مسائل کا وجود محض تعلیمات اسلام سے دوری کا نتیجہ

میرے عزیز بھائیو! آج ہم رب چاہی زندگی چھوڑ کر من مانی زندگی گزار رہے ہیں، جس کی وجہ سے ہم طرح طرح کے رنج وغم میں مبتلا ہیں، کبھی کسی پریشانی کا شکار ہیں کبھی کسی مسئلہ میں گرفتار ہیں، کبھی قحط سالی کا مسئلہ ہے کبھی گھر کے مسائل ہیں۔ لاکھوں مسائل میں ہم گھرے رہتے ہیں اگر ہمارا دین پر عمل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان مسائل سے بے نیاز کر دے گا، ہم امن وعافیت کی زندگی گزاریں گے جو اصل ذریعہ ہے سکون کا۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ نعمت بڑے بڑے مالداروں، بڑے بڑے تاجروں اور بادشاہوں کو حاصل نہیں ہے، ان کے پاس راحت وآرام کے اور دفاع کے وسائل ہزاروں موجود ہیں اور زندگی کی حفاظت کے لئے ہر طرح کی طاقت موجود ہے لیکن اس کے باجود زندگی میں سکون نہیں ہے۔ چاروں طرف یہ آواز ہے کہ فلاں علاقہ میں قحط سالی آگئی اور فلاں جگہ یہ مصیبت کھڑی ہوگئی اور فلاں جگہ لوگوں پر ظلم وستم ہو رہا ہے جس کی وجہ سے صدائے احتجاج بلند ہو رہی ہے۔ زندگی میں سکون نہیں ہے، سکون کی تلاش میں لوگ سرگرداں ہیں، کہیں سکون اور نیند لانے کے لئے دواؤں کا استعمال ہو رہا ہے لیکن آخر اس سے کب تک سکون ملے گا؟ جوں ہی دوا کا اثر ختم ہوتا ہے پھر وہی غم اور وہی رنج ان کو گھیر لیتا ہے۔ سکون کا تعلق انسان کی مادی طاقت سے نہیں ہے، اگر تعلق مع اللہ ہمارا مضبوط ہوگا تو ہم سکون اور امن وعافیت کی زندگی گزاریں گے۔ آپ نے بارہا دیکھا اور آزمایا ہوگا کہ اللہ کے نیک اور مقرب بندے کیسے اطمینان اور

سکون سے زندگی بسر کرتے ہیں وہ کہیں بھی رہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کہ اللہ کی رحمت ان کے سروں پر سایہ فگن ہے، ان کو کسی قسم کا رنج وفکر نہیں ہوتا، ان کو غم صرف ایک بات کا ہوتا ہے کہ امت کی اصلاح کس طرح ہو یہ غم ان کو بے چین کئے رکھتا ہے۔ یہی حال ان کے خدام کا بھی ہوتا ہے کہ اللہ ان کو بھی اطمینان وسکون عطاء فرماتا ہے تو میرے بھائیو! اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو، اگر اللہ کی رسی ہمارے ہاتھ میں ہوگی تو دنیا کی کوئی چیز ہمیں گزند نہ پہنچا سکے گی، اللہ کے کتنے مقرب بندے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ دعاء کرتے ہیں تو اللہ ان کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کی وجہ سے لوگوں کی پریشانیوں کو بھی دور فرمادیتا ہے بلکہ حدیث میں یہاں تک آتا ہے "رب أشعث أغبر لو أقسم على الله لأبره" کہ کتنے اللہ کے نیک بندے ایسے ہیں کہ بظاہر دیکھنے میں پراگندہ بال پراگندہ حال کہ اگر وہ اللہ پر کسی چیز کی قسم کھالیں کہ یا اللہ یہ کام ضرور ہونا چاہئے یہ پریشانی ضرور دور ہونی چاہئے تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پوری فرمادیتے ہیں، اس لئے تو اسلام کی تعلیمات پر عمل کر کے یہ عظیم الشان درجہ انسانوں کو حاصل ہوا۔ دوسری طرف اسلام کی تعلیمات پر عمل کر کے دیکھئے کہ وہاں کسی کو یہ مجال ہی نہیں تھی کہ براہ راست اللہ سے کسی چیز کا مطالبہ کرلے۔ اس کو اگر اللہ سے کچھ مانگنا ہوتا تھا تو بیچ میں واسطہ اختیار کرنا پڑتا تھا۔ اس وقت کچھ لوگ ایجنٹی کا کام کرتے تھے، انھیں اپنے جال میں پھنسا لیتے تھے، وہ ان سے کہتے تھے کہ اگر اللہ سے کوئی چیز مانگنی ہو، کوئی درخواست بھیجنی ہو تو ہماری اتنی فیس ہے، یہ ہمارے پاس جمع کرو تو ہم تمہاری بات اللہ تک پہنچادیں گے دیکھئے تو اسلام سے قبل اللہ سے بندہ کتنا دور تھا، اسلام نے آکر اس دیوار کو گرادیا اور فرمایا کہ بندہ کا تعلق اللہ کے ساتھ براہ راست ہے، اس میں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں ہے۔

تقرب الی اللہ کے دو راستے

حدیث قدسی کے اندر موجود ہے: ماتقرب الی عبدی بشیئ أحب الي مما افترضته کہ کوئی بندہ مجھ سے قریب نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ فرض کو ادا نہ کرے جو چیز اللہ نے فرض کی ہے اس کو امانت داری اور سچائی کے ساتھ جب بندہ ادا کرتا ہے تو اللہ

اس کو اپنا مقرب بندہ بنالیتے ہیں اور جب بندہ فرض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نوافل کا بھی اہتمام کرتا ہے تو اللہ اپنے مقربین یہ کہتے ہیں "لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی أحبه فاذا أحببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها ولئن سألنی لأعطینه ولئن أعاذنی لاعیذنه' جس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ فرائض کے ساتھ نوافل کا بھی اہتمام کرتا ہے تو اس کو میں اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں اس کے سوال کو ضرور پورا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے کسی چیز سے پناہ چاہتا ہے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں..... تو ہمارے لئے تو سارے انعامات ہی انعامات ہیں۔ کیسی خوشگوار زندگی ہے اگر ہم آپ ﷺ کے بتلائے ہوئے نسخہ پر عمل کریں تو یہ کس قدر خوش گوار ہے اور اگر اس نسخہ کو استعمال نہ کریں جیسا کہ آج کل ہم نے نظر انداز کر رکھا ہے تو پھر آپ سوچ لیجئے کہ ہمارا کیا انجام ہوسکتا ہے۔ پھر ہم کیوں شکوہ کرتے ہیں زمانہ کے حالات کا، کبھی لوگوں کی سختیوں کا، کبھی ظلم وستم کا، کبھی بارش کی تنگی کا، کبھی گرمی اور سردی کی شدت کا، یہ اس لئے ہے کہ ہم نے اپنا رشتہ اللہ سے کمزور کرلیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ رشتہ توڑ لیا ہے لیکن رشتہ کمزور ضرور کرلیا ہے اور جب رشتہ کمزور ہو جاتا ہے تو آپ کو معلوم ہے کہ اگر دو دوست یا دو جماعتوں میں آپس میں رشتہ کمزور ہو جائے تو کون ایک دوسرے کا خیال کرتا ہے، تعلقات ختم ہو جاتے ہیں..... ایسے ہی جب آپ کا تعلق مع اللہ کمزور پڑ گیا تو زندگی میں خوشگواری کہاں پیدا ہوگی۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اسلام کے تمام احکامات پر پورے طور سے عمل پیرا ہوں۔ اسی کو اللہ نے کتاب عزیز میں بیان فرمایا ہے۔ "یا یھاالذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انه لکم عدو مبین" اے ایمان والو! تم پورے طور پر اسلام

کے اندر داخل ہو جاؤ اور مکمل طور پر اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کر دو، ایسا نہ ہو کہ کچھ چیزوں میں اللہ سے تعلق باقی رکھیں اور زندگی کے کچھ پہلوؤں میں غیر اللہ سے تعلق رکھیں۔ اللہ نے جو زندگی بخشی ہے اس کو اللہ کے احکام کے تابع بنانا ہے، شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے وہ کسی نہ کسی شکل میں تمہیں بہکاتا رہے گا، کبھی نماز کا وقت ہوتا ہے تو کہے گا، ابھی تو وقت ہے بعد میں پڑھ لیں گے، ابھی تو جوانی ہے کچھ دن بعد نماز شروع کر دیں گے۔ غرض کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑتا جس میں وہ تمہارے پیچھے نہ پڑے۔

ایک قابل ذکر واقعہ

اس موقع پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا جس کو ہمارے مرشد حضرت مولانا علی میاں صاحب مرحوم بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک بڑے مالدار آدمی تھے، ان کو کسی خادم کی ضرورت تھی، انہوں نے اشتہار دیا کہ ہمیں ایک ملازم کی ضرورت ہے جو ہمارے گھر کے کام کاج کر دیا کرے، دکان سے سودا سلف لے آیا کرے اور بچوں کو اسکول چھوڑ آیا کرے۔ چنانچہ یہ بات اشتہار میں چھپی تو بہت سے لوگ انٹرویو کے لئے آئے، ان میں سے ایک صاحب کا انتخاب عمل میں آیا جو مالدار صاحب کو پسند آئے، اب خادم صاحب نے آقا سے کہا کہ صاحب مجھے ایک فہرست بنا دیجئے کہ میری کیا کیا ذمہ داریاں ہیں تاکہ میں مضبوطی کے ساتھ ان پر گامزن رہوں چنانچہ انھوں نے فہرست بنا کر حوالہ کر دی کہ یہ سب کام آپ کو کرنے ہیں، خادم نے کہا کہ لکھ دیجئے چنانچہ مالک نے کہا کہ ٹھیک ہے، مالک نے لکھ کر اس پر دستخط کر دیئے اب ملازم نے کہا کہ میں اس کے مطابق کام کروں گا، اس میں نہ کمی کروں گا نہ زیادتی۔ مالدار صاحب نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آقا صاحب گھوڑے پر چڑھ رہے تھے، چڑھتے ہوئے پائے دان میں پیر پھنس گیا اور گھوڑا آگے کو لے کر چلنے لگا، قریب تھا کہ یہ گر جائیں، انھوں نے اپنی مدد کے لئے نوکر کو آواز دی کہ مجھے بچاؤ، اب نوکر جواب دیتا ہے کہ صاحب یہ فہرست ہے اس میں یہ تو لکھا ہوا نہیں ہے کہ اگر گھوڑے پر چڑھتے ہوئے قدم پھنس جائے تو میں بچانے آؤں لہٰذا یہ کام میں نہیں کر سکتا"۔

عملی کردار ہی مؤثر طریقۂ دعوت

تو دوستو! آپ ﷺ نے ہمارے سامنے جو سیرت پیش کی ہے وہ تو یہ ہے کہ ہم مکمل طور پر اسلام میں داخل ہوں، پاؤں کے ناخنوں سے لیکر سر کے بالوں تک بندگی کا نمونہ پیش کرنا ہے۔ جب بندہ مکمل طور پر توجہ اللہ کی طرف کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں جو جائز بات آتی ہے اس کو ضرور پورا فرما دیتے ہیں۔ ہمارے سامنے ہمارے اکابر کے حالات ہیں کہ جب انھوں نے مانگا وہ ملا بطور خرق عادت کے۔ مزید یہ کہ ان کے اخلاق وعادات ان کے اوصاف، ان کے چہرے مہرے کو دیکھ کر لوگ ایمان میں داخل ہوتے تھے وہ جس کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کر دیتے اللہ ان کے حق میں ان کی دعا قبول فرمالیتا۔

اصلاح معاشرہ وقت کی ضرورت

تو بھائیو! ضرورت ہے کہ ہم اپنے معاشرہ کو بدلیں، اس لئے کہ معاشرہ کی خرابیاں وکمزوریاں جب تک دور نہیں ہوں گی، اس وقت تک ہم اپنے آپ کو نہیں بدل سکیں گے۔ اسی کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی کہوں گا کہ اصلاح معاشرہ کے لئے بچیوں کی تعلیم بھی بے حد ضروری ہے۔ ان سے جتنا معاشرہ سدھرے گا اتنا مردوں سے نہیں سدھرے گا۔ جب بچیوں کے پاس اسلام کی ضروری تعلیم ہوگی تو وہ اپنی اولاد کو اسلامی تعلیم سے خود روشناس کرائیں گی وہ اثر بچے قبول کریں گے۔ جب بچوں کا بچپن ہی سے اسلامی ذہن ہوگا تو وہ معاشرہ کتنا خوش نصیب اور خوشگوار ہوگا اور یہ مشاہدہ ہے کہ جن کے بچے صاف ستھرے اور مہذب رہتے ہیں لوگ ان کو دیکھ کر یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہمارے بچے بھی ایسے ہی ہوتے۔ اب اندازہ لگائیے کہ جو لوگ اپنے بچوں کے خراب ہونے کے سبب اچھا ہونے کی تمنا کر رہے ہیں تو یہ بچے کہاں خراب ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بچے پہلے گھر میں خراب ہو گئے اس لئے بچیوں کی تعلیم بے حد ضروری ہے اس کے بغیر ہم چاہیں کہ اصلاح معاشرہ ہو جائے ناممکن ہے۔ لوگ سوچتے ہیں کہ جلسوں کے ذریعہ وعظ وتقریر کے ذریعہ معاشرہ سدھر جائے گا لٹریچر کے ذریعہ اصلاح

ہوجائے گی، میں تو سمجھتا ہوں کہ شاید اتنی کامیابی نہ مل سکے یا بالکل نہ ملے بلکہ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ جتنے زیادہ جلسے ہورہے ہیں لوگ اتنا ہی ضلالت وگمراہی کی طرف زیادہ مائل ہورہے ہیں۔آپ دیکھئے کہ پہلے بیاہ شادی میں یہ رسم ورواج نہیں تھے جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ مسلمانوں میں شادیاں ہوتی ہیں تو ان میں اتنی خرابیاں اور رسمیں پیدا ہوگئی ہیں کہ جن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

ناجائز کاموں میں مسابقت کا جذبہ

مسابقت اور ریس کا اتنا جذبہ پیدا ہوگیا ہے کہ یہ کہتے ہوئے سنا گیا: اگر فلاں صاحب کی بیٹی بیٹے کی شادی میں دس لاکھ روپے خرچ ہوئے تو میں ۲۰ لاکھ روپے خرچ کروں گا اس نے چار ہزار باراتی بلائے تو میں دس ہزار بلاؤں گا، اس نے ایک عام ہوٹل میں شادی کا انتظام کیا تو میں فائیو اسٹار ہوٹل میں بارات ٹھہراؤں گا، اس پر طرہ یہ کہ میں ہر باراتی کو اتنا اور اتنا انعام بھی دوں گا۔ یہ سب قرض اور سود لے کر کیا جارہا ہے تاکہ نام روشن ہوجائے اور تاریخ بن جائے کہ واقعی شادی تو فلاں حاجی صاحب نے کی ہے۔ اندازہ لگائیے کہ کیا اس سے اصلاح معاشرہ ہوجائے گی؟ ہرگز اس سے اصلاح نہیں ہوگی کیونکہ اصلاح اپنے نفس اور اپنی ذات سے چلتی ہے تب وہ دوسروں پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لئے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کریں۔ اس طرح صرف جلسوں اور لٹریچر پر اکتفا کرکے بیٹھ جائیں گے تو اس سے نفسیاتی بیماریاں اور کمزوریاں اور بڑھیں گی اور ان کے جراثیم اور زیادہ تنومند ہوں گے۔ آج حال یہ ہے کہ مسلمان کی بارات جارہی ہے تو اول تو لفظ بارات ہی کہیں منقول نہیں ہے۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ بارات جارہی ہے اس میں کہیں پٹاخے اور گاجے باجے کا دور دورہ ہے اور کاریں اور گاڑیاں پھولوں سے سجی ہوئی ہیں ہم نے سوچا کہ یہ بارات شاید کسی غیر مسلم کی ہوگی، پتہ چلا کہ نہیں یہ تو مسلمان کی ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم. کیا مسلمانوں کے یہاں ایسی شادیاں ہوتی ہیں؟ کیا ان خرافات کے بعد بھی یہ لوگ مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں اور اسی پر اکتفا نہیں کرتے، سجاوٹ اور ڈیکوریشن کا یہ عالم ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کو ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ کسی راجہ مہاراجہ یا کسی بادشاہ کا قلعہ ہے اس پر گھوڑے کھڑے کئے ہوئے ہیں، مصنوعی گھوڑے ہوتے ہیں یا حقیقۃ ہی گھوڑے ہوتے ہیں جنھیں کرایہ پر لے لیا جاتا ہے یہ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کسی بڑے ساہوکار کی شادی ہے۔

معاشرہ کی اصلاح فرد کی اصلاح پر منحصر

دوستو! یہ وہ حقائق ہیں جو رات دن نظر آتے ہیں، کیا اسطرح ہماری اصلاح ہوگی؟ ہمارے اندر جو خرابیاں ہیں ہم ان کو دور نہ کریں تو کیا معاشرہ ٹھیک ہو جائے گا، اپنی نسل اور اپنے اندر نفسوں کی اصلاح نہ کریں تو کیا معاشرہ خوشگوار ہو جائے گا؟ ہمارے کتنے بھائی ایسے ہیں جو کبھی نماز تک نہیں پڑھتے، کلمہ ان کو یاد نہیں۔ آپ ﷺ کے بارے میں ان کو کوئی معلومات نہیں اور نہ اس کی طرف کبھی توجہ ہوتی ہے اور نہ ہم توجہ کرتے ہیں، کیا اس سے اصلاح معاشرہ ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ معاشرہ جب ہی ٹھیک ہوگا جب کہ ہر شخص اپنے نفس کی اور اپنی اولاد کی فکر کرے۔ اگر ہر شخص اپنی توجہ کا مرکز ان باتوں کو بنالے تو پھر خوبیاں ان کے اندر پیدا ہو جائیں گی جن کو دیکھ کر لوگ خود اپنی اصلاح کیا کریں گے جس طرح اہل اللہ کو دیکھ کر لوگوں کے قلوب بدل جایا کرتے تھے۔ اس لئے آپ بھی اہل اللہ بن جائیں اور اہل اللہ بننا کوئی ناممکن کام نہیں اس لئے کہ اللہ تو چاہتے ہی ہیں کہ میرا ہر بندہ اہل اللہ اور مخلص بن جائے۔ ایک حدیث میں مذکور ہے۔ "سئل رسول اللّٰہ عن الرجل یقاتل شجاعة ویقاتل حمیة ویقاتل ریاء أی ذلك فی سبیل اللّٰہ؟ قال : من قاتل لتکون کلمة اللّٰہ هي العلیا فهو في سبیل اللّٰہ".

میرے بھائیو! میں آپ سب سے کہوں گا کہ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں، اس لئے کہ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا ایسے شخص کے بارے میں جو راہ خدا میں قتال کرتا ہے تاکہ لوگ اس کو بہادر سمجھیں یا جنگ کرتا ہے اس لئے کہ حمیت وطن وغیرت قومی اس کو جنگ پر برانگیختہ کر رہی ہے یا لوگوں کو دکھلاوے کی وجہ سے قتال کر رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ان میں سے کون سا شخص اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا ہے یعنی سچا مجاہد کون

ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے مقبول وہ شخص ہے جو اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے اور آپ ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرنے کے لئے قتال کرتا ہے وہ شخص ہی مجاہد فی سبیل اللہ ہے اس لئے آپ میرے لئے اور سب کے لئے یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو بلند کرنا اور آپ ﷺ کی سنتوں کو زندہ و نافذ کرنا ہمارا منشور ہو۔ اس نیت سے جو محنت اور قربانیاں ہم پیش کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں بہت مقبول ہوں گی۔

محاسبہ اعمال خیر کی طرف بڑھنے میں اہم سبب

ہم کبھی کبھی اپنی زندگی کا محاسبہ کرلیا کریں بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ روزانہ سونے سے پہلے اپنا محاسبہ کرلیا کریں کہ ہم نے اب تک کتنے اچھے اعمال کئے اور کتنے برے اعمال کئے ہیں۔

بس میں اپنی بات کو اسی پر ختم کرتا ہوں، ابھی بہت سے علماء باقی ہیں، اصل تقاریر تو انھیں کی ہوں گی وہ اظہار خیال فرمائیں گے میں حضرت مولانا محمد طاہر حسین صاحب قاسمی کی دعوت پر یہاں علمائے کرام اور آپ حضرات سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا تھا ماشاء اللہ یہاں کے کام اور تعلیمی نظام کو دیکھ کر بڑی خوشی و مسرت ہوئی ہمارے مولانا محمد طاہر صاحب بانی و ناظم ادارہ احیاء العلوم صدیقیہ جو بڑی جد و جہد اور محنت سے کام کر رہے ہیں جن کی محنتوں اور خلوص کی جیتی جاگتی تصویر یہ ادارہ آپ کے سامنے ہے جہاں قوم وملت کے بہت سے نونہالان اپنی علمی تشنگی دور کر رہے ہیں، روحانی پیاس بجھا رہے ہیں اور تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو کر قوم وملت اور ملک و وطن کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ بڑی مبارکباد کے قابل ہیں، یہاں کے ذمہ داران جنھوں نے بچوں کے ساتھ بچیوں کے لئے بھی الگ سے تعلیمی نظام اور تربیتی پروگرام مرتب کیا ہے اور آج ہی سے اس کا افتتاح بھی کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا حقیقت میں ان بچیوں ہی کے ذریعہ سے معاشرہ کی صحیح اصلاح کا فریضہ انجام دیا جاسکتا ہے۔ ان

کی گود و آغوش بچہ کا سب سے پہلا مدرسہ اور تربیت گاہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ اس ادارہ کو ہر طرح کی ترقیات عطا فرمائے اور تمام شرور فتن سے اس کی حفاظت فرمائے، اس ادارہ کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی، یہاں کی تعمیر و تعلیم، تربیت و ثقافت نظم و نسق اور انتظام و انصرام، یہ تمام چیزیں یہاں کے محنتی و سلیقہ شعار حضرات کی ذہنی بلندی کا عکس مستنیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اسلامی گلشن کو سدا بہار بنائے اور کارکنان میں مزید خلوص وللہیت پیدا فرمائے۔

اگر میں نے کوئی غلط بات کہی ہو تو اس سے معذرت خواہ ہوں اور اگر صحیح بات کہی گئی ہے تو اس کو آپ حضرات اپنے دل میں جگہ دیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

طلباء کا مستقبل

مقصد کی تعیین اور خود شناسی پر منحصر☆

الحمدللّٰہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وامام المتقین ، محمد وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین أما بعد :

قال اللّٰہ تعالیٰ : وأن لیس للانسان الاما سعی، وأن سعیہ سوف یری ، ثم یجزاہ الجزاء الاوفی ، وأن الی ربك المنتھی ۔

نعمت کی قدر

طلبائے دارالعلوم کو چاہئے کہ وہ اپنے زمانہ طالب علمی کی قدر کریں، ندوہ میں اپنے داخلہ کو فضل خداوندی پر محمول کریں، تاکہ ان کے اندر اپنے زمانہ طالب علمی کی قدر کا جذبہ پیدا ہو سکے۔ طلباء کے مستقبل کا دارومدار اسی پر ہے کہ وہ غور کریں کہ اپنی طالب علمی کے اس زمانہ کو کس طرح گزار رہے ہیں۔ اگر ان میں خود شناسی کا جذبہ پیدا ہو گیا تو انشاء اللہ ان کا مستقبل روشن ہوگا۔ ان کے مستقبل کی تابناکی اس بات پر منحصر ہے کہ ان کا زمانۂ حال اچھا گذر رہا ہو، وقت کی قدر دانی ان میں ہو، دارالعلوم میں موجود تعلیم وتربیت کے وسائل وامکانات سے بھرپور استفادہ کا ان کے اندر جذبہ وحوصلہ ہو اور ان کی فکر، تعمیری اور مثبت ہو۔

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مرکزی جمعیۃ الاصلاح میں طلباء کے سامنے یہ خطاب ہوا۔

طلباء کا اصل مقام

طلباء انبیاء کے وارث ہیں، ان پر انسانی معاشرہ کی اصلاح اور ان کی فلاح و بہبود کی عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اللہ کے بندوں تک اللہ کے پیغام کو پہنچانے کا فریضہ ان پر عائد ہوتا ہے، طالب علمی کا ان کا یہ دور گویا اس عظیم منصب کے لئے تیاری کا دور ہے اس لئے طلباء کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو پہچانیں۔

مدارس کا اہم مرض

عزیز طلباء: ہمارے طلباء کا مرض بے نیتی ہے، ان کو چاہئے کہ وہ اپنا مقصد متعین کریں، مقصد متعین کرنے کے بعد ان کے تعلیمی سفر میں جو خیر و برکت ہوگی اس کو وہ خود بھی محسوس کئے بغیر نہیں رہیں گے، اگر مقاصد جلیل ہوں تو وہ انسان کے مستقبل کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کئے بغیر نہیں رہتے۔ آپ کی رفتار و گفتار سے اور آپ کی وضع قطع سے سنجیدگی اور متانت ٹپکتی ہو اور ہزاروں کے مجمع میں آپ کو پہچانا جا سکتا ہو کہ آپ دار العلوم ندوۃ العلماء کے فرزند ہیں اور آپ اس سانچے میں ڈھلے ہیں جس سانچے میں انسان ڈھلتے ہیں۔ دار العلوم سے آپ کی نسبت بڑی ذمہ داری کی بات ہے اور آپ کو عظیم نسبت کی لاج رکھنی ہے، آپ کے طرز فکر اور طرز عمل سے دار العلوم کی نسبت کی خوشبوئیں پھوٹیں اور مستقبل میں آپ کی عالمانہ شان کو عام طور سے محسوس کیا جاس کے۔

آپ جس ورثہ کے امین و پاسبان ہیں، اس سے آپ کو کما حقہ واقفیت ہو، آپ شہزادے ہیں اور شہزادے کیلئے یہ نہایت عیب کی بات ہوگی کہ وہ کسی فقیر کی جھولی کی طرف حسرت کی نگاہ ڈالے۔ احساس کمتری اور آپ کا کوئی جوڑ نہیں، آپ کی نگاہ بھی بلند ہو اور آپ کا کردار بھی بلند ہو اگر آپ نے ان بنیادی اصولوں کو اپنی طالب علمی کے زمانہ میں پیش نظر رکھا تو انشاء اللہ آپ اپنی مادر علمی کی فضاؤں سے کما حقہ فائدہ اٹھا سکیں گے اور ملک وملت کے کام آئیں گے۔

طلباء کے اندر غیر معمولی صلاحیتیں پنہاں ہیں

عزیز بھائیو! ہر انسان کے اندر اللہ تعالی نے غیر معمولی صلاحیتیں رکھی ہیں،، انسان جس صلاحیت کو جلا بخشے گا وہی کارگر اور صیقل ہوگی ، الاصلاح کا نظام خوابیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی کامیاب کوشش ہے، انجمن الاصلاح مفید اور نافع بننے کا ایک کامیاب مرکز ہے، تحریر وتقریر کی مشق اور اسلامی ثقافت کا علم مدارس میں الاصلاح کے ذریعہ فروغ پاتا ہے۔

طلباء کے اندر منافست کا جذبہ پیدا ہونا چاہیے، اگر یہ جذبہ رہے گا تو ترقی کے منازل طے کرتے چلے جائیں گے، اس موقع پر ایک قصہ یاد آیا: ایک صاحب تھے وہ اپنے بچے کو پڑھاتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے پوچھا کہ بیٹے! تم کیا بننا چاہتے ہو، اس نے کہا: آپ جیسا، تو انہوں نے کہا: تم کچھ نہیں بن سکتے، اس لئے میں جب پڑھتا تھا تو تمنا کرتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح بنوں، لہٰذا ہدف اگر بہت اعلی ہو تو انسان بہت کچھ حاصل کرسکتا ہے، اس حقیقت کو سامنے رکھیئے کہ آپ بلندی کی طرف دیکھیں تو حوصلہ ملے گا اور آگے کی طرف نکل جائیں گے۔

ہمت بلند دار کہ نزد خدا وخلق
باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے:

ہر دوعالم قیمت خود گفتئی
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

مضمون نویسی کے اصول

مضمون نگاری کے لئے پہلی شرط ہے کہ مضمون طبع زاد ہو، حوالے دینا اچھی بات ہے، لیکن پورے مضمون کو نقل کر لینا اور اپنے نام سے چھپوا دینا مردان کار کی خصوصیت نہیں۔ مضمون لکھنے سے پہلے اتنا پڑھیئے کہ مضمون ابلنے لگے، بڑی خوشی کی بات ہے کہ جداری صحافت کی

روایت قائم ہے، پہلے جداری پرچے نہیں نکلتے تھے، قلمی پرچے نکلتے تھے، یہ ایک نئی پہل ہے۔

مدارس خیر وشر کے معیار مقرر کرتے ہیں

عزیزو!

دنیا کی مختلف قوموں نے اچھائی اور برائی کا پیمانہ اور معیار مقرر کیا ہے، اسلام نے بھی منکر اور معروف کا معیار مقرر کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ بھلائی اور خیر کو عام کیا جائے اور برائی کو مٹانے اور ختم کرنے کے لئے انتھک کوشش کی جائے۔ یہ مدارس اسی تعلیم کو عام کرنے کے مراکز ہیں، یہاں اسی بات کی تعلیم دی جاتی ہے، ہمیں دیکھنا چاہئے کہ کتنی اچھائیوں ہم نے اختیار کیا ہے، اور کتنی برائیوں سے ہم بچے ہیں، اسلام نے خاص طور سے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور اچھے تعلقات پیدا کرنے کی تاکید کی ہے، لفظ پڑوسی بہت عام ہے، کمرے کا ساتھی، گھر کا پڑوسی، غیر مسلم برادر وطن، سفر کا ساتھی، دور وقریب کا رشتہ دار، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے اکثر تعلقات اپنے پڑوسیوں سے کشیدہ رہتے ہیں، اسی طرح والدین کی نافرمانی سے منع کیا گیا ہے، لیکن نوجوان بالعموم اپنے والدین کی نافرمانی کرتے ہیں جو اسلام کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔

مقصد کی تعیین ضروری

عزیز بھائیو!

آپ کے مستقبل کا انحصار مقصد کی تعیین اور خود شناسی پر منحصر ہے، محاسبہ سے یہ خوبیاں پیدا ہوں گی، عقل مند آدمی وہی ہے جو محاسبہ کرتا رہے، وقت کا، صلاحیت کا، کردار کا، نقائص پر نظر رکھیں، تو خوبیاں پیدا کرنے کی رغبت پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ توفیقات سے نوازیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

مومن کے لئے چار بشارتیں☆

الحمد للّٰہ رب العالمین،والصلاۃ والسلام علی سیدالأنبیاء والمرسلین، محمد وعلی آلہ وأصحابہ ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین أما بعد :

فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم ، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

"الٓمّٓ ، أحسب الناس أن یترکوا أن یقولوا آمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن اللہ الکٰذبین". (العنکبوت: آیۃ ۱تا۳)

دنیا آزمائش کی جگہ

میرے بھائیواور دوستو!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اگر انہوں نے یہ کہا کہ ہم ایمان لائے،صرف یہ کہہ دینا کہ ہم ایمان لائے ،اتنا کہنا کافی نہیں ہے۔ "ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لایفتنون" .ایمان کے بعد جومنزلیں ہیں وہ آزمائش کی منزلیں ہیں،امتحان کی منزلیں ہیں،اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کوآزماتے ہیں ان کا امتحان لیتے ہیں مختلف طریقوں سے،کبھی خوف اورغم کے ذریعہ،کبھی فکروپریشانی کے ذریعہ،کبھی بیماری اوردوسری آزمائشوں کے ذریعہ،کبھی خشک سالی اور بھوک کے ذریعہ اورکبھی دشمن کے خوف کے ذریعہ،مختلف طریقوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ آزماتے ہیں اپنے ان بندوں کوجنھوں نے اپنے ایمان کا اعلان کیا۔

☆ جامعہ کاشف العلوم اورنگ آباد(مہاراشٹر) میں ایک جلسہ عام کی تقریر

اس لئے ایمان کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو زبان سے ادا کر دیا جائے اور پھر اس کا اثر ہمارے دلوں پر اور ہمارے اعمال پر، ہماری زندگی کی تمام حرکات وسکنات پر ظاہر نہ ہو؟

ایمان پر قائم رہنے کے انعامات

اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے "ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون". (حم السجدہ -۳۰) جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے یعنی جو لوگ ایمان لائے، اللہ تبارک وتعالیٰ پر اور پھر وہ اس ایمان پر مضبوطی سے جم گئے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کو انھوں نے لازم پکڑ لیا تمام معاملات کے اندر چھوٹے ہوں یا بڑے، اونچے ہوں یا نیچے، جو بھی معاملات ہوں، گھر کے معاملات ہوں، داخلی معاملات ہوں یا خارجی ہوں، تمام معاملات کے اندر انھوں نے اللہ کی اطاعت کو لازم پکڑا تو ان کے لئے چار باتوں کی بشارت ہیں ایک یہ کہ ان کے لئے فرشتے نازل ہوتے ہیں، فرشتے آتے رہتے ہیں "تتنزل علیھم الملائکۃ" اور ان سے یہی کہتے رہتے ہیں "لا تخافوا" بھائی دیکھو! ڈرنا نہیں! بہت سے اس وقت خوف کے مواقع ہیں، بہت سی خوف کی ایسی چیزیں پیدا ہوگئیں ہیں، جو ہمیں خوفزدہ کر دیں اور خوفزدہ کر کے ہمارے ایمان کو کمزور کریں تو وہ کہتے رہتے ہیں کہ 'لا تخافوا' نہ ڈرو، ہرگز نہ ڈرو! اللہ تمہارے ساتھ ہیں اور یہی دوسری بشارت ہے کہ نہ ڈرو بہت سے ایسے حالات ہیں کہ جن کی وجہ سے خوف پیدا ہو جاتا ہے، آدمی ڈر جاتا ہے اور سہم جاتا ہے، اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہتے ہیں کہ ڈرو نہیں! چاہے جیسے بھی حالات ہوں، ڈرانے والی چاہے جتنی بھی چیزیں آجائیں مگر ان سے ڈرو نہیں۔

تیسری بشارت یہ کہ "ولا تحزنوا" غم نہ کھاؤ، ہرگز ہرگز غم کا تمہارے دلوں کے اندر گزر نہ ہونے پائے، کسی بات کا غم نہ کرو نہ مال کی کمی نہ وسائل کی کمی کا، اور نہ جان ومال کی آزمائشوں کا، کسی قسم کا غم نہ کرو، یہ ان لوگوں کے لئے بشارتیں ہوتی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے

ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت کو اور ان کی شریعت کو اپنی زندگی کے اوپر منطبق کر لیتے ہیں اور اس سے کسی حال میں بھی نہیں ہٹتے اور ان کے لئے یہ ہے کہ نہ خوف کھاؤ اور نہ غم کرو۔

چوتھی اور آخری بشارت وخوشخبری یہ ہوتی ہے کہ "وأبشروا بالجنة "جس کا تعلق آخرت سے ہے کہ اس جنت کی خوشخبری حاصل کرو، "الذی کنتم توعدون "جس جنت کا اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے وعدہ فرماتے ہیں اور جس جنت کو تمہارے اعمال حسنہ اور تمہارے اعمال صالحہ کے بدلے میں تم کو عطا کریں گے اس جنت کی خوشخبری حاصل کرو۔

مومن خوف وغم سے آزاد ہوتا ہے

میرے بھائیو اور دوستو! اگر ہم اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں تو سب سے زیادہ جو چیز زندگی کو پریشان کرنے والی ہوتی ہے وہ ہے خوف یا غم، لیکن، مومن کے لئے بشارت یہ ہے کہ وہ خوف وغم سے بہت دور رہتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اسے کسی خوف وغم کے اندر مبتلا نہیں فرماتے، خوف کی چیزوں سے اس کے دل کے اندر خوف نہیں پیدا ہونے دیتے اور ہر طرح کے غموں سے اسے محفوظ رکھتے ہیں، یہ ایسی بڑی نعمت ہے جو آج کی اس ترقی یافتہ دنیا کے اندر مفقود ہے، دنیا کتنی ترقی کر گئی ہے ہر چیز کے اندر دنیا بہت آگے بڑھ گئی ہے، تمام چیزوں میں، ٹیکنالوجی اور سائنس میں اور علوم وفنون، اختراعات وایجادات کے اندر دنیا بہت تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ خوف وغم ایک ایسی چیز جو ہر ایک کے ساتھ لازم ہے، وہ اس سے کبھی بھی بری الذمہ ہو نہیں پاتا، بڑے سے بڑا آدمی، بڑے سے بڑا مالدار ہے، بڑے سے بڑا صاحب جائداد ہے، بڑے سے بڑا صاحب حکمرانی ہے اور بڑے سے بڑا طاقتور ہے لیکن وہ بھی غموں سے خالی نہیں، وہ بھی خوف وخطر سے خالی نہیں، خوف وخطر کے درمیان وہ رہتا ہے اور اس کی حفاظت کرنے کے لئے کتنے لوگ اور کتنی فوجیں لگی رہتی ہیں سیاسی اور ہر طرح کے اور ہر معیار کے لوگ اور ہر سطح کے لوگ اس کی حفاظت کرتے ہیں، گھریلو سطح پر بھی اس کی حفاظت کی جاتی، باہری سطح پر بھی اس کی حفاظت کی جاتی ہے اور حکومت کی سطح پر بھی اس کی حفاظت کی جاتی ہے، تجارتی سطح پر بھی اس کی حفاظت کی جاتی ہے،

دنیا کے ہر معاملہ میں جہاں بھی وہ جاتا ہے اور اس میں دخل دیتا ہے اور حصہ لیتا ہے، اس وقت بھی اس کی حفاظت کی جاتی ہے، کسی بھی ملک کے وزیر اعظم کو دیکھ لیجئے، کسی بھی ملک کے صدر جمہوریہ کو دیکھ لیجئے، بڑے سے بڑے طاقت ور ملک کے صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم کو جو سب سے بڑا آدمی وہاں اس ملک کا ہے وہ بھی ہر وقت خوف وخطر میں مبتلا رہتا ہے، اس کی حفاظت کے لئے، اور خوف وخطرے سے محفوظ رکھنے کے لئے کتنی فوجیں لگی رہتی ہیں، لاکھوں، کروڑوں کے بے شمار آلات نصب کئے جاتے، کتنے اسلحہ اس کے لئے تیار کئے جاتے ہیں کہ وہ کسی طرح کے خطرہ کے اندر مبتلا نہ ہو، اور ہر طرح خوف وخطرہ سے محفوظ رہے۔

لیکن مؤمن جہاں بھی جائے، جس حالت میں بھی رہے، چاہے وہ کتنی بلندی پر فائز ہو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احسان اور اللہ تعالیٰ کے فیض سے وہ مالداری کے آخری مرتبہ پر ہو تب بھی اس کو کسی قسم کا خوف وخطر نہیں، اور اگر خدانخواستہ مفلسی کے آخری درجہ پر ہو تب بھی اس کو کسی قسم کا خوف وخطر نہیں، اور اگر وہ کوئی ذمہ داری سنبھالے تب بھی وہ خوف وخطر سے آزاد رہتا ہے، نہایت آسانی کے ساتھ جب چاہے وہ لوگوں کے ساتھ چلتا پھرتا ہے، لوگوں میں آتا جاتا ہے، لوگوں کے اندر اٹھتا بیٹھتا ہے اور وہ اپنی ذمہ داری کو ان کے ساتھ ادا کرتا تھا اسی لئے اس میں کسی قسم کی کوئی پریشانی محسوس نہیں ہوتی، اسی طرح غموں کا معاملہ ہے غم مومن کے پاس آتا ہی نہیں اگر خدانخواستہ ایسی کوئی بات ہو رہی ہے جو غم کا باعث ہو تو اس میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ مسرت وشادمانی کا کوئی ایسا پہلو رکھ دیتے ہیں جو غم کو بھلا دیتی ہے اور اس غم کے مقابلہ میں شادمانی اس پر غالب آجاتی ہے اور مسرت اس کے اوپر چھا جاتی ہے اسی لئے اللہ کے ان ایمان دار اور اطاعت پذیر بندوں کا یہ حال بتایا گیا ہے کہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ برابر یہ بشارت دیتا ہے کہ دنیا کے اندر دنیا کے خوف وخطر سے اور دنیا کے رنج وغم سے وہ محفوظ رہتا ہے۔

اہل ایمان کے اخروی انعامات

اور آخرت میں جو بشارت "وأبشروا بالجنة التی کنتم توعدون" اور بشارت

حاصل کرو اس جنت کی جس جنت کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ جنت تم کو مل کر رہے گی، ”نحن أولياء كم في الحياة الدنيا وفي الآخرة ولكم فيها ماتشتهي أنفسكم ولكم فيها ماتدعون نزلا من غفور رحيم (حم السجدہ:۳۱-۳۲) کہ ہم تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے ہم معاون ہیں اور ہمہ وقت ہم تمہاری مدد کرنے والے ہیں اور ہمہ وقت ہم تمہارا ساتھ دینے والے ہیں، اور ہمہ وقت ہم تم کو خطرات سے نجات دلانے والے ہیں، دنیا کی زندگی کے اندر ہم تمہارے مددگار رہیں، تمہارے ولی ہیں، معاون ہیں اور تمہارے دوست ہیں، اور آخرت میں ہم تمہارے معاون و مددگار رہیں، وہاں بھی ہم اسی طرح رہیں گے اور اسی طرح ہم تمہاری مدد کریں گے جس طرح دنیا میں ہم تمہاری مدد کرتے ہیں تو مومن کی زندگی ہر جگہ انعام کی زندگی ہے، بشارت کی زندگی ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس خصوصی فضل وکرم اور نعمتوں کی زندگی ہے کہ جس زندگی کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا ہے جب تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا تعاون اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی حفاظت اس کو نہ حاصل ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فضل خاص نہ حاصل ہو تو ہماری زندگی کی کوئی قیمت نہیں، اس کے بغیر دنیا کے اندر ایک منٹ، بلکہ ایک سیکنڈ بھی زندہ رہنا دشوار ہو جاتا ہے، اسی طرح جو زندگیاں ہماری دنیا کے اندر گزر رہی ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو آخرت کی کھیتی بتایا ہے، دنیا کے اندر اپنے اعمال کی کھیتی کرتے ہیں، اپنے اعمال کو بوتے ہیں اور اس کو کاٹتے ہیں آخرت میں جا کر، اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آخرت کو اس لئے بنایا کہ ہم دنیا میں رہ کر جتنا زیادہ سے زیادہ عمل کر سکیں، جتنا زیادہ سے زیادہ اللہ کے مقرب بندے بن سکیں اور ہم جتنا زیادہ سے زیادہ تقرب حاصل کر سکیں، اعمال واطاعت کے ذریعہ سے اتنا کر لیں، اور پھر اس کے بعد آخرت کی زندگی تو اخروی زندگی ہے اور دائمی زندگی ہے اور سرمدی زندگی ہے اور اس زندگی کے اندر کوئی فنا نہیں، اس زندگی کے اندر کوئی رنج وغم نہیں، اس زندگی کے اندر کوئی پریشانی نہیں، اس میں کوئی خوف وخطر نہیں، اس میں کوئی بیماری و پریشانی اور آزمائش نہیں، جو کچھ بھی ہے، وہ اس دنیاوی زندگی کے اندر ہے اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو مومن کے لئے

آزمائش کی زندگی بنایا ہے تاکہ وہ یہ دیکھیں کہ انہوں نے جو ایمان کا اعلان کیا اس ایمان کے اعلان پر پوری طرح قائم ہیں یا نہیں؟ اور نہایت خلوص کے ساتھ اس کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں یا اس میں کچھ کمزوری پیدا ہو چکی ہے؟

مکمل اسلامی زندگی کی نمائندگی مطلوب ہے

اس لئے میرے بھائیو اور دوستو! ہمیں اپنی زندگیوں کو ایمان کے ساتھ گزارنی چاہئے، اعمال صالحہ کے ساتھ گزارنی چاہئے، اور ہمیں اس بشارت پر اور اللہ کے ان وعدوں کے اوپر پورا یقین رکھنا چاہئے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سے کیا ہے کہ دنیا میں بھی ہمیں بے خوف وخطر رکھیں گے، ہر طرح کے رنج وغم سے دور رکھیں گے اگر ہمارا ایمان سچا، پکا اور مخلصانہ ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی ملاوٹ نہیں ہے اور کسی قسم کی کوئی آمیزش اس کے اندر نہیں ہے، اگر ہم پوری طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہمارے گوشت وپوست کے اندر سرایت کر گئی ہو تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم دنیا کے اندر کسی بھی پریشانی کے عالم میں زندگی گزاریں، ظاہر ہے اس کے بعد جب ہم آخرت میں جائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو بھرپور انعام عطا فرمائیں گے، اور وہ ایسی زندگی ہوگی جس زندگی کا تصور ہم یہاں رہ کر نہیں کر سکتے کہ وہ کیسی ہوگی؟ کتنی بلند ہوگی؟ کتنی عظیم ہوگی؟ کتنی سرمدی ہوگی؟ کتنی مسرتوں سے بھرپور زندگی ہوگی؟ کیسی خوشی کی زندگی ہوگی؟ اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

تو اس لئے میرے بھائیو اور دوستو! کس زمرے کے اندر اللہ نے ہم کو داخل کیا ہے؟ اگر مومن کے زمرے کے اندر تو جو اس کے لوازمات ہیں اور جو اس کی ذمہ داریاں ہیں ان تمام ذمہ داریوں کو صحیح طریقہ سے سمجھنا اور اس کو صحیح طریقہ سے امانت داری کے ساتھ ادا کرنا ہمارے لئے ضروری ہے، بس میں ان ہی الفاظ پر اپنی بات ختم کرتا ہوں، اللہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین) وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

اپنی قدر و قیمت پہچانئے!☆

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وعلی آلہ وأصحابہ ومن تبعھم باحسان أجمعین.

میرے عزیز بھائیو! اساتذہ کرام اور ہمارے ساتھ تشریف لائے رفقائے عظام!

ابھی آپ کے سامنے میرے بارے میں جو تعارفی کلمات پیش کئے گئے ہیں، یہ ان کا حسن ظن ہے، میری حیثیت صرف یہ ہے کہ میں بھی آپ ہی جیسا ایک طالب علم ہوں، اس سے زیادہ میری کوئی حیثیت نہیں اور پڑھنے کا بھی سلسلہ جاری ہے، اور کچھ تھوڑا بہت حق معاش وصول کرنے کے لئے پڑھا بھی دیتا ہوں اور پڑھاتا بھی کیا ہوں، محض حصول معاش کے لئے، جو دنیاوی زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہے، لیکن آپ صرف یہ سمجھیں کہ میں بھی آپ کا ساتھی ہوں اور جس راستہ پر آپ چل رہے ہیں اسی راستہ پر میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل رہا ہوں۔

ضروری گذارش

اس لئے میری ایک گذارش ہے جیسا کہ مولانا نے فرمایا: میری عمر زیادہ ہے، بہتر تک پہنچ گئی ہے، آپ کی عمر کم ہے، آپ ابھی بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں، ابھی تو آپ نے کتابوں کا انعام حاصل کیا ہے، انشاء اللہ آپ وہ بھی انعام حاصل کریں گے جو قابل رشک اور قابل فخر ہوگا، اور آپ کی شخصیت ایک عالم دین، ایک مفکر، ایک ادیب، ایک مفسر، ایک محدث

☆ المعہد الاسلامی مانک مئو، سہارنپور کے طلباء کے سامنے یہ خطاب ہوا۔

اور ایک فقیہ کی شخصیت ہوگی، اور آپ سے لوگ دین کی معلومات حاصل کریں گے، اور اپنی زندگی کو ی تعمیر اور سیرت کی تعمیر میں پورا تعاون و مدد حاصل کریں گے۔

رضائے الٰہی کے لئے کام کیا جائے

اصل یہ کہ زندگی مختصر ہو یا مطول، اگر اللہ کی رضا کے لئے کام کیا جائے اور یہ نیت رکھی جائے کہ ہمیں اللہ کے لئے کام کرنا ہے اور لوگوں کے سامنے اللہ کے دین کو صحیح حالت اور صحیح شکل میں پیش کرنا ہے تو اس کا بہت فائدہ ہوگا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَّات وَاِنَّمَا لِکُلِّ امرءٍ مَانَوٰی، کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کے لیے وہی چیز ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔

نیت کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے

آپ فرما سکتے ہیں کہ نیت زبان سے نہیں ہوتی، نیت کا تعلق قلب سے ہے اور دل سے ہے، اور دل کا تعلق ایمان سے ہے، یعنی جن لوگوں نے اللہ کو خوش کرنے کے لئے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اچھے کام کی نیت کی، تو ان کو اس نیت کا بہتر سے بہتر صلہ ملتا ہے، لیکن نیت کیساتھ عمل بھی ضروری ہوتا ہے، اسی لئے نیت کا تعلق قلب سے ہے اور ایمان سے ہے، اور عمل کا تعلق انسانی اعضاء سے ہے، جب صالح نیت اور پاکیزہ عمل جمع ہو جاتا ہے تو بندہ کو اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

قرب خداوندی کیسے حاصل ہوتا ہے

اسی لئے فرمایا گیا اللہ تبارک وتعالیٰ جس چیز سے سب سے زیادہ خوش ہوتے ہیں اور جس بات سے ان کا قرب حاصل ہوتا ہے، وہ فرائض ہیں، جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے عبادات میں فرض فرمائی ہیں، اس وقت دنیا فرائض کے اوپر قائم ہے، ان فرائض کی ادائیگی سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، لیکن فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اگر نوافل کا بھی اہتمام کیا جائے تو پھر اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔

مَاتَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِی بِشَیءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ، وَمَایَزَالُ عَبْدِی یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنتُ سَمعَہُ الَّذِی یَسْمَعُ بِہٖ، وبَصَرَہُ الَّذِی یُبْصِرُ بِہٖ، ویَدَہُ الَّتِی یَبْطِشُ بِھَا،وَرِجْلَہُ الَّتِی یَمْشِی بِھَا، وَاِنْ سَاَلَنِی اَعْطَیْتُہٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ (بخاری)

جس چیز کو میں نے بندہ پر فرض کیا ہے اس پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے، لیکن جب کوئی نوافل کا بھی اہتمام کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے محبت فرمانے لگتے ہیں، اور جب محبت کرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، اس کا پیر بن جاتا ہوں، اتنا زیادہ قرب حاصل ہوجاتا ہے کہ جیسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ بندے سے صرف جسمانی حیثیت سے الگ ہے، حقیقت میں اللہ تعالیٰ اس کے قریب ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ مجھ سے کسی بات کی پناہ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں، اور کوئی چیز مجھ سے طلب کرتا ہے (جائز چیز) تو میں اس کو وہ چیز ضرور دیتا ہوں، جب وہ ایمان لاتا ہے، اور عمل صالح کرتا ہے تو میں اس کے لئے ضیافت کا سامان مہیا کرتا ہوں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوا وعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً. جن لوگوں نے اللہ کا راستہ اختیار کیا، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر اس کے بعد عمل صالح کیا، تو ان کے لئے جنتِ فردوس کے باغات ضیافت کا سامان بن جاتے ہیں، اس کے لئے مہمانی کی چیز بن جاتے ہیں۔ بے شک اللہ کی مہمانی اسی کو حاصل ہوتی ہے، فردوس کے باغات اللہ تبارک وتعالیٰ اسی کو عطا فرماتے ہیں، جو ایمان اور عمل صالح کا جامع ہو۔

مثالی شخصیت

ایک طرف دل کا عمل ہے دوسری طرف جسم کا عمل ہے، ان دونوں اعمال کو جب جمع کیا جاتا ہے تو انسان کی شخصیت بنتی ہے، اور ایک ایسی شخصیت بنتی ہے کہ دوسری کوئی چیز اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی، ہم مسلمانوں کی زندگی میں ایسے حالات پیش آئے، ماحول کی

کمزوری، معیار کی عملی گہرائی تعلیم کی کمی، خوشحالی کی کمی، اور اچھی صحبتوں کی کمی، صالح عمل کی کمی اس طرح کے حالات پیش آئے کہ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے ہم نے زیادہ وقت صرف نہیں کیا، اور زندگی جوں کی توں گذار دی، اور یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ یہ حالات کیوں آئے اور اس کا مداوا کیسے کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لئے کیا فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا. جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر وہ اپنے عمل کے ذریعہ سے جم گئے، اور پھر استقامت اختیار کی، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے اور اس پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھے اسلام کے بارے میں کوئی بات بتا دیجئے کہ پھر مجھے کسی اور سے اس کے بارے میں نہ پوچھنا پڑے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں اللہ پر ایمان لایا اور اس پر جم جاؤ۔

علم کی ضرورت

اس کے لئے علم کی ضرورت ہے، علم حاصل کئے بغیر ہم کسی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ کسی ایسی شخصیت کی تعمیر کر سکتے ہیں، جو شخصیت اللہ تعالیٰ کی نظروں میں مقبول ومرغوب ہو، علم اگر نہ ہو تو مسجدیں بھی آباد نہیں ہوسکتیں، علم اگر نہ ہو تو ہم مسلمان کی حیثیت سے زندگی بھی بسر نہیں کر سکتے، ہم کو کیا پتہ ہو کہ اسلام کی کیا تعلیمات ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کیا ارشادات ہیں، ان کی کیا ہدایات ہیں، اس لئے علم حاصل کرنا، مدارس قائم کرنا، مدارس کے اندر صحیح وقت گذارنا اور صحیح نیت کرنا بنیادی عمل ہے، آپ مدرسہ میں آنے سے پہلے صحیح نیت کرلیں، پختہ نیت، اپنے دل کے اندر یہ نیت کرلیں کہ ہم اس لئے جارہے ہیں تاکہ علم حاصل کریں اس علم سے ہم سچے اور پکے مسلمان بنیں، اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر چلنے کی ہمیں توفیق ہو اور ہم اللہ کے دین کو دوسروں تک پہنچائیں، یہ نیت کرلیں۔

مسئلہ بے نیتی کا ہے

لیکن اگر ایسا ہوتا ہے کہ ہم مدرسوں میں چلے جائیں اور کوئی نیت نہ ہو ہماری، نہ اچھی نیت اور نہ بری نیت ہمارے مرشد و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علیؒ ندوی فرماتے تھے کہ نیت کی دو قسمیں ہیں، اچھی نیت اور بری نیت، لیکن فرمایا کہ مدرسوں میں جا کر دیکھا اپنے طلبہ کا جائزہ لیا۔ ہم کو نیت کی تیسری قسم بھی ملی۔ اور وہ بے نیتی ہے، ہمارے طلبہ بے نیت ہیں ان کو کچھ معلوم نہیں کہ پڑھنے کے لئے کیوں گھر سے چلے آئے اور والدین کو کیوں چھوڑ دیا۔ بس مدرسہ آ کر زندگی گذار رہے ہیں، اس میں سخت زندگی بھی ہوتی ہے اور محنت کرنی پڑتی ہے اور مزاج کے مطابق سب کام نہیں ہوتے ہیں، اور استاذوں کی ڈانٹ بھی سننی پڑتی ہے، مدرسہ کے نظام کا پورا خیال کرنا پڑتا ہے، اس کے قوانین وضوابط پر پوری طرح سے عمل کرنا پڑتا ہے، یہ سب تو معلوم ہے، مگر نیت کا علم نہیں، کوئی نیت ہی نہیں کی اور چلے آئے، اپنا نام لکھوا دیا اور داخلہ ہو گیا اور اس کے بعد زندگی گذارنے لگے، یہ نہیں معلوم کہ کیوں پڑھ رہے ہیں؟ ان کا کیا مقصد ہے؟ وہ پڑھ کر کیا کریں گے؟ مستقبل کیسا اور کیا ہوگا؟ تو کس طرح اپنی شخصیت کی تعمیر کر سکتے ہیں؟ کس طرح مستقبل کو روشن کر سکتے ہیں؟

بے نیتی کو ختم کریں

اس بے نیتی کو ختم کرنا انتہائی ضروری ہے جن لوگوں نے ابھی تک نیت نہیں کی اور یہاں اپنے آنے کی وجہ معلوم نہیں کی، ان کو چاہئے کہ وہ اس کی وجہ معلوم کریں اور مقصدیت کی روح سے اپنے آپ کو سرشار کریں، مقصدیت کی روح سے قلب کو معمور کریں، جب مقصدیت کی روح سے آپ کام کریں گے ہر کام نہایت بہتر ہوگا، اور ہر کام کا بہتر بدلہ ملے گا۔

متعدد ثواب

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی ایک کام کی نیت کرتا ہے، لیکن اس میں کئی کام ہو جاتے ہیں، تو ہر کام کا الگ الگ ثواب ملتا ہے، آپ نے مظاہر حق میں پڑھا ہوگا کہ جو

شخص مسجد میں داخل ہوا اس نیت سے کہ مسجد میں جا کر ہم تحیۃ المسجد پڑھ لیں، تو مسجد میں داخل ہونے کا ثواب الگ ملے گا، تحیۃ المسجد پڑھنے کا ثواب اس کو الگ ملیگا، اور اللہ کے گھر میں تھوڑی دیر بیٹھنے کا ثواب اس کو الگ ملے گا اور اسی طرح سے پھر وہ اگر فرائض کی ادائیگی کے لئے انتظار کر رہا ہے تو انتظار کرنے کا ثواب اس کو الگ ملا، اور فرائض کا ثواب اسکو الگ ملا، اور نہ جانے ایک کام سے کتنے ثواب ملے، کام تھا تحیۃ المسجد پڑھنا صرف مسجد میں داخل ہونا، لیکن مسجد میں داخل ہونے کا ثواب، تحیۃ المسجد کا ثواب، پھر انتظار کرنے کا ثواب، پھر اس نیت سے کہ ہم اللہ کے گھر میں جا رہے ہیں اس کا الگ ثواب اور کتنی ایسی چیزیں ہیں جن کے بارے میں غور کرنے سے نہ جانے کتنی اس کی شاخیں نکل آئیں گی اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک کام کی نیت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بہت سے کاموں کا ثواب دے دیتے ہیں۔

آپ بھی یہ سب نیتیں کریں

آپ بھی علم حاصل کرنے کی نیت کریں، آپ کو کتنے ثواب ملیں گے، تبلیغ کا ثواب الگ ملے گا، اساتذہ کے ساتھ احترام کا ثواب الگ ملے گا، مدرسہ کے ساتھ تعلق کا ثواب الگ ملے گا، مدرسہ کے نظام اور اس کے قوانین کی پابندی کرنے کا ثواب الگ ملے گا، اور یہاں قیام وطعام میں کچھ تکلیف پہنچے تو اس کا ثواب الگ ملے گا، اور جب کبھی خدانخواستہ آپ کو بخار آجائے یا بیمار ہو جائیں اور آپ کو یہ احساس ہو کہ ہمارے سبق کا ناغہ ہو گیا تو اس احساس کا ثواب الگ ملے گا، نہ جانے کتنی چیزیں ہیں، تو نیت بہت اہم چیز ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیءٍ مَانَوٰی اسی لئے علم حاصل کرنے کے لئے جتنی مشقتیں برداشت کریں گے اس میں اجر ہی اجر ہے اور یاد رکھئے علم بڑا غیور ہے یہ ویسے ہی نہیں آجاتا۔

الاصلاح کے ہال کے اہم کتبات

علم کے بارے میں امام غزالیؒ نے جو کہا ہے ان کا فرمان ہمارے مدرسے میں

جمعیۃ الاصلاح کے ہال میں ایک کتبہ لگا ہوا تھا، اور اس پر امام غزالیؒ کی یہ عبارت لکھی ہوئی تھی اَلْعِلْمُ لَایُعْطِیْكَ بَعْضَهٗ حَتّٰی تُعْطِیَهٗ كُلَّكَ فَاِذَا اَعْطَیْتَهٗ كُلَّكَ فَانْتَ مِنْ اَنْ یُّعْطِیَكَ بَعْضَهٗ عَلٰی خَطَرٍ علم نہیں دیگا اپنا تھوڑا حصہ یہاں تک کہ تم کل کا کل حصہ نہ دے دو، اپنے آپ کو مکمل اس کے حوالے نہ کردو، اور تم نے اپنے آپ کو پوری طرح حوالے کردیا علم کے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ علم تم کو اپنا تھوڑا حصہ بھی دیگا یا نہیں، یہ امام غزالیؒ کا قول ہے، اور ہمارے یہاں طالب علمی کے زمانہ میں اس کا کتبہ لگا ہوا تھا، اس پر لکھا ہوا تھا:

ونفسك أكرمها فانك ان تهن

علیك فلن تلقی لك الدهر مكرما

اپنی عزت خود کرو، اس لئے کہ تم نے اگر اپنی عزت نہیں کی تو کوئی دوسرا آدمی تمہاری عزت کرنے والا نہیں، اپنے مرتبہ کو خود سمجھو، تمہارا مرتبہ کتنا بلند ہے اور کس قدر تم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عزت اور عظمت عطا فرمائی، یہ علم کے راستہ کا ذریعہ ہے، یہ بھی ہوسکتا تھا کہ آج کل جس طرح بچوں سے کام لیا جاتا ہے، نوکر ہوجاتے ہیں، کسی کارخانے میں، موٹر کے کارخانے میں اور سائیکل کے پنچر وغیرہ بنانے کے لئے نوکر ہوجاتے ہیں، کہیں ہم کو بھی اس طرح کسی نوکری نہ کرنی پڑجاتی، لیکن ہم کو اللہ تعالیٰ نے علم کی راہ دکھائی۔

قدردانی کریں

اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان سے بچا کر ایک بڑے ادارے میں لاکر علم حاصل کرنے کے لئے بھیج دیا تو انسان اس کا جتنا شکر ادا کرے گا اور اس پر جتنا فخر کرے گا اور اپنی جتنی عزت کرے گا، اپنی قیمت کو جتنی بڑھائے گا، اتنی زیادہ لوگ اس کی عزت کریں گے اور اگر وہ اپنی عزت خود نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ کیا بتائیں ہمارے والد صاحب نے ہمیں مدرسہ میں بھیج دیا وہاں جاکر کے ہم فَعَلَ فَعَلَا فَعَلُوْا کی گردان کریں، اور ذرا سا کچھ گڑبڑی ہو، استاذ کی چھڑی کھاتے ہیں، مارتے ہیں، یہ کام کرواتے ہیں، یہ اٹھا بیٹھی کراتے ہیں، کیا بتائیں یہ پرانے لوگ ہیں، اب جو کہیں تو ماننا ہی پڑتا ہے، تو پھر کیا کچھ ملے گا؟ ہم بتائیں آپ کو،

بے عزتی ملے گی، لیکن اس کو لوگ ذلیل سمجھیں گے، اگر آپ کہیں گے کہ میرے والد کتنے عقل مند ہیں، کہ ان کو بصیرت حاصل تھی مستقبل پر نظر تھی، انہوں نے مجھ کو اس ادارے میں علم حاصل کرنے کے لئے بھیجا اور جب اپنی عزت آپ خود محسوس کریں گے تو پھر لوگ آپ کی عزت کریں گے۔ یہ بھی ایک کتبہ لگا ہوا تھا، اس کے علاوہ ایک اور کتبہ لگا ہوا تھا، کیا تھا وہ :

غالی بنفسی عرفانی بقیمتها

فصنتها عن رخیص القدر مبتذل

میرے نفس نے میری اور میری ذات کی قیمت بڑھادی، کہ میں نے اپنے آپ کو پہچان لیا، جب میں نے اپنے آپ کو پہچانا تو میری قیمت بڑھ گئی، اور میں نے اپنی ذات کی بڑی حفاظت کی، عن رخیص القدر چھوٹی چھوٹی باتوں سے سستی چیزوں سے میں نے خود کو بچایا، اور مقتدر چیزوں سے میں نے اپنی حفاظت کی اور جو گھٹیا چیزیں ہوتھیں، میں نے ان سے اپنی حفاظت کی، تاکہ میرے نفس کی عزت قائم رہے، اسی کو عزت نفس کہتے ہیں۔ یہی بات شعر کے پہلے مصرع میں ہے۔

ان کتبات کو المعہد میں لگوائیں

یہ میری درخواست ہے کہ حضرت ناظم صاحب (مولانا محمد ناظم ندوی ناظم المعہد الاسلامی) سے کہ ان کتبات کو یہاں پر لگوائیں، اور اساتذہ سے بھی درخواست ہے کہ اگر کاموں کی مشغولیت کی بنا پر حضرت کو یاد نہ رہے تو یاد دلادیں، اور ان کو کئی جگہ لگوائیں، انجمن میں، درسگاہ میں، کلاسیز میں لگائیے، ہاں مسجد میں نہ لگائیں۔ آپ کی عمر بہت ہے ہماری بھی یہ تمنا ہوتی ہے کہ ہم بھی پندرہ بیس سال کے ہوجائیں، اور اسی طرح کے کسی مدرسہ میں داخلہ لے لیں، آپ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کریں اور ایمان کی روشنی حاصل کریں اور اللہ کی معرفت حاصل کریں، اور اللہ کی ہدایات کے بموجب اور اسلام کی تعلیمات کے بموجب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں علم حاصل کریں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

شریعت اسلامیہ پر عمل ہی کامیابی کا واحد راستہ ☆

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد على آله وأصحابه أجمعين ـ أمابعد :

دین کے دائرہ کو محدود کرنے کی کوشش

محترم حضرات، علمائے کرام، اور دینی بھائیو!

ادھر کچھ دنوں سے یہ بات زیادہ محسوس کی جارہی ہے کہ مسلمانوں اور دینِ اسلام کے تعلق سے لوگ ایسی کوششیں کررہے ہیں کہ اس دین کا اثر اور اس کا دائرہ محدود ہوتا جائے، مسلمانوں کے دلوں میں دین کے بارے میں شکوک پیدا ہوں اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ جو دین اتنا قدیم ہو چکا ہے کہ جس پر چودہ سو سال گذر چکے ہیں وہ آج کے ان حالات میں کس طرح سے ہمارا ساتھ دے سکتا ہے؟ یہ بات لوگوں کے ذہنوں میں ڈالنے کی کوششیں ہورہی ہیں، مغربی ممالک اپنی کوششوں میں مصروف ہیں اور وہ اپنا یہ کام نہایت ہی باریک بینی کے ساتھ اور انتہائی محنت اور اپنی توانائیوں کو صرف کرتے ہوئے کررہے ہیں، ہمیں اس کا احساس بھی شاید نہ ہوتا ہو کہ ہمارے خلاف کیا کیا سازشیں ہورہی ہیں، ہم دینِ اسلام کی نمائندگی کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اس کے باوجود بھی ہم کو دینِ اسلام سے منحرف کرنے اور دینِ اسلام سے دور کرنے اور اسلام کا جو نظامِ زندگی ہے جس کو شریعتِ اسلامیہ کہتے ہیں، اس سے بیگانہ بنانے کے لئے پوری کوششیں جاری ہیں، یہ کون لوگ ہیں؟ یہ وہی لوگ ہیں جو نہ صرف

☆ مدرسہ مسیح العلوم بنگلور کے ایک بڑے اجتماع میں کی گئی تقریر

یہ کہ ہمارے اوپر ظلم کر رہے ہیں بلکہ اپنے آپ پر خود بھی ظلم کر رہے ہیں، تا کہ ہمارے اندر احساس کمتری پیدا ہو جائے اور ہم ان ظالموں کی طرف جھکنے لگیں، اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ دین کے جو مخالفین ہیں وہ ہمیشہ دین کے خلاف کام کرتے رہیں گے، مسلمانوں کو اس کا شاید احساس ہو یا نہ ہو؛ لیکن مسلمانوں کو دین سے بیگانہ کرنے اور دین سے دور کرنے کے لئے ان کی کوششیں جاری رہیں گی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ لَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

''مت جھکو ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا''۔

ظالم کون؟

ظالم وہ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے مقصد کو نہیں سمجھا اور زندگی کو جہاں صرف کرنا چاہئے اس جگہ پر انہوں نے اپنی زندگی کو صرف نہیں کیا، زندگی کو جہاں رکھنی چاہئے انہوں نے اپنی زندگی کو وہاں نہیں رکھا، یہ بڑا ظلم ہے، ان ظالموں کی طرف متوجہ ہونا، ان ظالموں سے متاثر ہونا، ان ظالموں کی طرف جھکنا، ان ظالموں کے پھندے کے اندر پھنسنا، یہ ہمارے لئے کسی طرح زیب نہیں دیتا، ہم کسی طرح اس کو پسند نہیں کر سکتے کہ لوگ سازشیں کریں ہمارے دین کے خلاف، ہمارے مذہب کے خلاف، ہماری اسلامی زندگی کے خلاف، ہماری شریعت کے خلاف، ہمارے علماء کے خلاف، ہمارے مدارس کے خلاف، ہماری تعلیم کے خلاف اور جو لوگ سازشیں کریں ہم ان کو بہت اچھی نظر سے دیکھیں اور سمجھیں کہ یہ ہمارے بڑے خیر خواہ ہیں، ہرگز نہیں۔

مدارس کی ضرورت بہر حال باقی ہے

ان ظالموں کو سمجھنے کی کوشش کرو جو تم کو راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں، بلکہ تم کو راہ راست سے ہٹا رہے ہیں اور کتنے لوگ اس فریب میں مبتلا ہو چکے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دین کے اندر کچھ نہ کچھ تو اضافہ ہونا چاہئے جو پہلے نہیں تھا اور کچھ چیزیں نکال

دی جائیں یہ زیادہ بہتر ہے، ذرا سوچئے کہ یہ بات کس قدر غلط ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دین کو بالکل مکمل بنا کر نازل فرمایا ہے جو ہمیشہ ہمیش تا قیامت قائم ودائم رہے گا، جب تک یہ دنیا قائم رہے گی اس وقت تک یہ دین بھی قائم رہے گا اور جس طرح اس نے پہلے انسانوں کی مدد کی تھی اور جس طرح اس نے انسانوں کو اپنے مقصد کی طرف متوجہ کیا تھا اسی طرح وہ آخر تک انسانوں کو صحیح مقصد بتا تا رہے گا اور صحیح راستہ کی رہنمائی کرتا رہے گا، اس لئے ان ظالموں کی طرف توجہ کرنا اور ان کی باتوں کو قابل غور سمجھنا اور ان کو اپنا خیر خواہ جاننا یہ بہت بڑی غلطی ہوگی، اس لئے آپ ان لوگوں کی طرف توجہ نہ کریں جو آپ کے دین کے خلاف ہیں اور جو آپ کے مذہب کے مخالف ہیں اور جو آپ کو اچھی حالت میں رہنے دینا نہیں چاہتے اور جو آپ کے دلوں سے اسلام کی روشنی کو چھیننا چاہتے ہیں اور آپ کے دلوں کو تاریک کرنا چاہتے ہیں، ان لوگوں کی باتوں میں آپ نہ پڑیں، آپ اپنے دین کے معاملات کو خود سمجھتے ہیں اور جن چیزوں کو نہیں سمجھتے ان کو علماء کرام سے دریافت کریں اور جس چیز کے بارے میں خدانخواستہ آپ کو شک ہو، اس کے بارے میں اپنے علماءِ کرام سے پوچھیں، ان کی خدمت میں حاضر ہوں، وہ آپ کو صحیح راستہ بتائیں گے۔

پھر اسی کے ساتھ ساتھ علم دین کا حصول یہ بہت زیادہ ضروری ہے، مدارس اسلامیہ اور مراکز اسلامیہ کا قیام اور اس کو زیادہ سے زیادہ آگے بڑھانے اور اس کو وسعت دینے کا کام ہمارے لیے بہت ضروری ہے، اگر ہم اس کی طرف توجہ نہیں دیں گے تو ہمارا مستقبل روشن نہیں رہ سکتا، بلکہ ہمارے مستقبل کے اندر تاریکیاں پیدا ہو جائیں گی، بہر حال اللہ تعالیٰ کو تو یہ دین ہمیشہ ہمیش قیامت تک کے لئے جاری رکھنا ہے، اس لئے اگر ہم اس دین کا ساتھ نہیں دیں گے تو اللہ تعالیٰ دوسرے ایسے لوگ پیدا کریں گے جو اس دین کو لے کر چلیں گے اور اس دین کی دعوت لوگوں تک پہنچائیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ

[سورۂ محمد: آیت ۳۸]

''اگر تم اس دین سے منہ موڑ لو گے، اس دین کو چھوڑ دو گے، اس دین کے بارے میں تم شک میں مبتلا ہو جاؤ گے، اس دین کے حق کو اگر تم ادا نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے بدلہ میں ایسے لوگوں کو پیدا کریں گے جو پوری طرح اس دین کو لے کر چلیں گے، اس کی قیادت کریں گے، اس کی دعوت کو لوگوں تک پھیلائیں گے اور اس کو زیادہ سے زیادہ کامل عدل بنا کر دنیا کے سامنے اس کا نمونہ پیش کریں گے۔''

مغربی تہذیب سے بے زاری مطلوب ہے

اگر ہم ان ظالموں سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کی طرف جھکتے ہیں تو اس کا نتیجہ کیا ہے؟ "فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" اس کا نتیجہ جہنم ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے جس سے پناہ مانگی جائے، سو مرتبہ، ہزاروں مرتبہ، لاکھوں مرتبہ، کروڑوں مرتبہ، اربوں مرتبہ اس سے پناہ مانگیں اور پھر "وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ" اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا، اگر تم ان ظالموں کی طرف جھک گئے اور مائل ہو گئے، اور اللہ ہی چاہے گا تو تم دوبارہ اس احساس کمتری سے نکل کر احساس برتری کے اندر آ جاؤ گے اور تم کو معلوم ہوگا کہ یہی وہ دین ہے، یہی وہ طریقۂ زندگی ہے، یہی وہ شریعت ہے جس شریعت کے ذریعہ سے ہم اس دنیا کے اندر عزت اور سعادت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔

مسلمان تمام حالات میں شریعت پر عمل کرنے کے مکلّف ہیں

ہم اپنے تمام معاملات کے اندر شریعت کے پابند ہیں، چاہے وہ چھوٹے معاملات ہوں یا بڑے معاملات، جو بھی ہوں ہر معاملہ کے اندر ہم شریعت کے پابند ہیں، اگر ہم شریعت کو نظر انداز کرتے ہیں یا شریعت کے کچھ حصہ پر عمل کرتے ہیں اور کچھ حصہ کو چھوڑ دیتے ہیں تو ہمارا اسلام اس سے مکمل نہیں ہوتا اور ہم اس دین کے صحیح نمائندے نہیں ہو سکتے۔

عن العرباض بن سارية رضى الله عنه قال: وعظنا رسول

الله صلى الله عليه وسلم موعظة بليغة وجلت منها القلوب و ذرفت منها العيون ، فقلنا:يا رسول الله ! (صلى الله عليه وسلم) كأ نها موعظة مودع فأوصنا. قال :أوصيكم بتقوى الله ، والسمع والطاعة و ان تأ مر عليكم عبدحبشى ، وانه من يعش منكم فسيرى اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتى و سنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ ، واياكم و محدثات الأمور ، فان كل بدعة ضلالة. [رواہ ابوداؤد والترمذی]

''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے مؤثر اور عمدہ انداز میں ہمیں وعظ فرمایا کہ آنکھوں سے اشک رواں ہوگئے، دلوں میں خوف وخشیت پیدا ہوگئی، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا لگتا ہے کہ یہ رخصتی والا آخری وعظ ہے، ہمیں مزید نصائح فرمایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، نیز حکم سننے اور اس پر عمل کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، چاہے کوئی حبشی غلام ہی تمہارا حاکم وامیر بنادیا جائے، تم میں سے میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بے حد اختلافات دیکھے گا، اس وقت تم پر لازم ہوگا کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کے طریقہ کی پیروی کرو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑلو، دین میں نئی باتیں پیدا کرنے سے بچو، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے)۔

[ابوداؤد، ترمذی]

بزرگو، اور بھائیو!

اللہ کا خوف کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کو ہر کام میں، ہر لمحہ، ہر وقت اپنے سامنے رکھیں، اگر آپ کے دل کے اندر اللہ کا خوف وتقویٰ ہے تو کوئی چھوٹے سے چھوٹا، یا

بڑے سے بڑا کوئی بھی کام اس کی مرضی کے خلاف آپ نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ جس بات سے بھی کسی حال میں بھی ناراض ہوں یا اللہ تعالیٰ جس بات کو بھی ناپسند کرتے ہوں اس کو آپ اختیار کریں یہ تقویٰ کے خلاف ہے، تقویٰ یہ ہے کہ جن نعمتوں کو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کیا ہے ان نعمتوں کی پوری قدر کریں اور جو نظام زندگی اللہ تعالیٰ نے ہم کو عطا فرمایا ہے اس نظام زندگی کو ہم اپنائیں اور اس کے اوپر چلنے کی کوشش کریں اور اس کے اندر کسی قسم کی کمی اور زیادتی نہ کریں، شریعت کو ہم پوری طرح سے اپنی زندگی کے اندر منطبق کرلیں اور زندگی کے ہر ہر جز کے اندر شریعت نافذ ہو جائے، یہی اللہ تبارک وتعالیٰ کا تقویٰ ہے، اللہ کا خوف جب دل کے اندر ہوگا تو اس کی شریعت کا کوئی حصہ ہم سے چھوٹنے نہیں پائے گا، ہر معاملہ میں، ہر کام میں، اور ہر چھوٹی بڑی چیز میں ہم ان شاء اللہ تعالیٰ کی شریعت کا پورا لحاظ رکھیں گے۔

شریعت کا مطالبہ

اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں اسلام کی نعمت عطا فرمائی ہے، اس نعمت کی ہم قدر کریں اور جو شریعت ہم کو عطا فرمایا ہے اور جو طریقہ زندگی عطا فرمایا ہے، جو نظام زندگی عطا فرمایا ہے، اس نظام زندگی کو ہم مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیں اور اسی پر چلتے رہیں تو ہم دنیا کی قیادت کے مستحق ہونگے ورنہ ہم دنیا کی قیادت نہیں کرسکتے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُوْنَ بِا لْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ أُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

[سورۂ آل عمران: ۱۰۴]

''تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے اور وہی لوگ کامیاب ہوں گے''۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے امتِ خیر یا خیر امت بنایا ہے، آپ امتِ خیر بھی ہیں اور خیر امت بھی ہیں اور آپ کے ذمہ جو کام ہیں وہ یہی ہیں کہ اچھی باتوں کا حکم کریں اور بری

باتوں سے منع کریں اور جب خود آپ کے اندر یہ چیز موجود ہوگی تو اچھی باتوں سے آپ کا ذہن اچھی باتوں کی طرف مائل ہوگا اور بری باتوں سے آپ کا ذہن متنفر ہوگا، تبھی آپ لوگوں کو اس بات کی طرف دعوت دے سکتے ہیں اور تبھی آپ لوگوں کو اچھی باتوں کی طرف مائل کر سکتے ہیں اور بری باتوں سے اور جو چیزیں اللہ کو ناپسند ہیں ان سے آپ ان کو روک سکتے ہیں: ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں، اس دنیا کی زندگی کے اندر بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی انشاء اللہ وہی لوگ کامیاب ہیں جو اللہ کے نظام کو صحیح طریقہ سے چلائیں گے اور دنیا کی قیادت کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں گے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت

یہ وہ پیغام تھا جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ ہم تک پہنچایا، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"والذی نفسی بیده لتأ مرن بالمعروف و لتنهو ن عن المنکر أو لیو شکن الله أن یبعث علیکم عقاباً منه ثم تدعونه فلا یستجا ب لکم". [رواہ الترمذی]

''جس ذات عظیم کے ہاتھوں میں میری جان ہے البتہ تم ضرور امر بالمعروف کرتے رہو گے اور البتہ ضرور تم نہی عن المنکر کرتے رہو گے اور یہی وہ اصل کام ہے، اس کے علاوہ اگر کوئی مسلمان اور راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کو کامیابی کس طرح سے حاصل ہو سکتی ہے؟ وہ دعا کرے گا اس کی دعا سنی نہیں جائے گی، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر کوئی عذاب بھیج دے اور اس کے بعد تم کوئی دعا کرو اور تمہاری دعا قبول نہ ہو۔''

اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ﴿لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا، لام تاکید بھی اور نون تاکید بھی، یہ دونوں چیزیں اس کے اندر موجود ہیں، اس لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ ہمارا سب سے بڑا وظیفہ اور

سب سے بڑی ہماری ذمہ داری ہے، اس ذمہ داری کو جب ہم انجام دیں گے، تو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ہمیں حاصل ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ حاصل ہونے کے بعد ہم لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دے سکتے ہیں اور اپنے اندر نمونہ پیدا کر سکتے ہیں اس اسلامی زندگی کا اور اس ایمانی زندگی کا، اور پھر اس پاکیزہ زندگی کا نمونہ ہم لوگوں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

آج دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو اس نعمتِ اسلام سے محروم ہیں؛ لیکن وہ بھی اسلام کی طرف آنا چاہتے ہیں اور وہ بھی اسلام کو قبول کرنا چاہتے ہیں، جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام والے اور اسلام قبول کرنے والے اور اسلام کے اندر زندگی گذارنے والے اور نسلاً بعد نسل اسلام کے اندر رہنے والے لوگ، اسلام کے پوری طرح سے پابند نہیں ہیں تو ہم کیسے پابند ہو سکتے ہیں، وہ یہ دیکھ کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھائی مسلمانوں کی حالت تو ایسی نہیں ہے جو اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہے، اسلام کے مطالعہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان خیر امت ہیں اور امتِ خیر بھی اور مسلمان تو پوری دنیا کی قیادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں؛ لیکن قیادت کا مظہر کہیں نظر نہیں آتا، جس سے معلوم ہو کہ یہ امت قیادت کے لئے پیدا کی گئی ہو اور قیادت کا عمل اس سے ہو رہا ہو۔

شریعت اسلامیہ کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ شریعت کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے ذریعہ سے جو شریعت ہمیں عطا فرمائی ہے اسے زیادہ سے زیادہ سمجھنے اور اس کی گہرائیوں میں جانے اور اس کے حقائق کو معلوم کرنے اور اس کے احکام وحدود اور اسرار ورموز کو علماء سے معلوم کرنے کی کوشش کریں اور اسی کے مطابق آپ اپنی زندگی کو گذاریں اور شریعت اسلامیہ کو سو فیصد اپنی زندگی کے اوپر منطبق کر لیں تو آپ سچے اور پکے مسلمان ہیں اور آپ کی زندگی شریعت کے مطابق ہے، آپ کی باتیں ہر جگہ سنی جائیں گی اور آپ کی قیادت وامامت ہر جگہ چلے گی، ہر جگہ آپ کی عزت ہوگی، ہر جگہ لوگ آپ کو اکرام اور عزت ومحبت کی نظر سے دیکھیں گے اور آپ کے پیچھے چلنے کی کوشش کریں گے۔

اس بات کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ شریعت ہم سے کیا مطالبہ

کرتی ہے؟ اور ہمیں شریعت والی زندگی کس طرح بنانی ہوگی؟ اور کس طرح اس کا نمونہ ہم دنیا کے سامنے پیش کریں گے؟ اگر ہم نے اس بات کا عزم کر لیا تو ان شاء اللہ ہم شریعت کے قائد، رہنما اور امام ہوں گے۔

اس وقت پوری دنیا کے اندر اضطراب و بے چینی کی جو کیفیت ہے وہ شریعت پر ہمارے عمل کرنے کی وجہ سے دور ہو جائے گی اور لوگ اسلام کی طرف مائل ہوں گے اور اسلام قبول کرنے کے لئے لائنوں میں کھڑے ہونگے اور آپ سے درخواست کریں گے کہ ہمیں بھی اسلام کی نعمت سے سرفراز کر دیجئے اور ہمیں بھی اسلام کی تعلیمات سے بہرہ ور کر دیجئے، اور ہمیں بھی اسلامی تعلیمات کے سایہ میں زندگی گذارنے کے لائق بنا دیجئے، ان شاء اللہ یہ ہو کر رہے گا، مگر شرط یہ ہے آپ کی طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہو اور شریعت کے ہر ہر جز پر عمل کرنے کا آپ کے اندر جذبہ ہو تو آپ کے ذریعہ سے دنیا کے لوگوں کو شریعت کی لذت معلوم ہوگی اور وہ یہ سمجھیں گے کہ شریعت کے بغیر زندگی بالکل بیکار ہے اور ایسی زندگی کا کوئی فائدہ نہیں جس کے اندر شریعت کا نفاذ نہ ہو، لہٰذا آپ اپنی زندگی کو ایسی بنائیں کہ لوگ یہ بات سمجھنے لگیں۔

آپ اسے نمونہ کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کریں، انفرادی طور پر آپ شریعت کی حفاظت کریں یہ کافی نہیں، بلکہ بطور امت مسلمہ کے اور خیر امت کی حیثیت سے آپ اس کی حفاظت کریں اور تمام دنیا تک اس کو پہنچائیں اور دنیا والوں کو یقین ہو جائے کہ اس شریعت کے بغیر انسان کی زندگی ناقص، بیکار اور بدمزہ ہے اور اس کے اندر کوئی لطف نہیں ہے۔

آپ کو یہاں سے یہ عزم کر کے اٹھنا ہے کہ انشاء اللہ آپ شریعت اسلامیہ کو اپنی زندگی کے اندر سو فیصد نافذ کریں گے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

مسجدوں کو آباد کیجئے☆

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين محمد وعلىٰ آله وأصحابه أجمعين أما بعد : قال الله عزوجل : انما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر وأقام الصلاه وآتى الزكوة ولم يخش الا الله فعسى أولئك أن يكونوا من المهتدين (توبہ:۱۸)

ایمان والے ہی مسجدوں کو آباد کرتے ہیں

محترم حضرات اور معزز سامعین !

میرے لیے بڑی خوشی کی بات ہے کہ میں آج کی اس مجلس میں آپ کے سامنے مساجد اور اس کے آداب سے متعلق کچھ گفتگو کروں، مسجد اللہ کا گھر ہے، قرآن کریم میں آیا ہے کہ مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کو دل سے مانتے ہیں، ایمان صرف اس کا نام نہیں ہے کہ کلمۂ شہادت پڑھ لیا جائے، بلکہ ایمان میں بڑی وسعت ہے، فرائض، واجبات، سنن، نوافل وغیرہ سب ایمان باللہ میں شامل ہیں، نوافل میں رات کے آخری حصے کی عبادت خاص اہمیت رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ اس عمل سے بہت خوش ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ میرے بندے نے میں میری خاطر راحت وآرام کو چھوڑا اور وہ عبادت میں مشغول ہوا۔

☆ مسجد علی میاں مکارم نگر میں باضابطہ نماز جمعہ کے افتتاح کے موقع پر کی گئی تقریر۔ ۱۴۳۳ھ

تعمیر مسجد کے دو مفہوم

مسجدوں کی تعمیر ظاہری بھی مطلوب ہے اور باطنی بھی، ظاہری تعمیر یہ ہے کہ چونے، اینٹ اور پتھر سے مسجدوں کو تعمیر کیا جائے، ان کو خوبصورت بنایا جائے، نمازیوں کی تعداد کے لحاظ سے اس میں گنجائش رکھی جائے، باطنی تعمیر یہ ہے کہ نمازوں اور ذکر و تلاوت کے ذریعہ ان کو آباد کیا جائے، مسجد میں لایعنی باتیں کرنا اسلامی تعلیمات کے شایان شان نہیں، ان میں جس قدر عبادت کی جائے گی اسی قدر انسان اللہ کے دربار میں سرخرو ہوگا، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیاں عمر میں اضافہ کا باعث ہوتی ہیں، عموماً انسان کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہیں، لیکن جس قدر انابت الی اللہ ہوگی اللہ رب العزت ظاہری اور باطنی دونوں لحاظ سے عمر میں اضافہ کریں گے۔

مسجدوں میں نماز پڑھنا بھی مطلوب ہے اور ذکر و تلاوت بھی، سب سے افضل ذکر کلمہ لاالٰہ الا اللہ کو زبان سے دہرانا ہے، اور درود شریف کو کثرت سے پڑھنا ہے، ہم نماز کے انتظار میں بیٹھے ہیں اگر ان دونوں باتوں کا اہتمام کرلیں تو ہمارا بیٹھنا بہت فائدہ مند اور اللہ کی نگاہ میں مقبول ہوگا۔

آخرت پر ایمان اخلاص پیدا کرتا ہے

جو قیامت پر یقین رکھتے ہیں وہ بھی مسجدوں کو آباد کرنے والے ہیں کیونکہ ہم میں سے ہر شخص کو یہاں سے جانا ہے، پھر دوبارہ زندہ کیا جانا ہے، یہ عقیدہ جب مستحضر رہے گا تو اخلاص پیدا ہوگا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر صاحب کو خوش کرنے کے لیے یہ کام کریں گے تو ہمیں بہت فائدہ ہوگا، لیکن اللہ کو خوش کرنے کے لیے کام کرنا ہی اخلاص ہے اور اس کا فائدہ لامتناہی ہے۔

خطبہ جمعہ کو غور سے سننا بھی عبادت

جمعہ کے دن خطبہ نماز کا جزء ہے، غور سے سننا بھی عبادت میں شامل ہے، حدیث

شریف میں آیا ہے، ''من مس الحصی فقد لغا ''یعنی جس نے دوران خطبہ کنکری کو بھی چھوا تو اس نے لغو کام کیا، یہ بالکل خطبہ کی بے حرمتی میں شمار ہوگا، اگر نماز جمعہ ادا کرنے کی غرض سے آنے والے مصلیان کہ انسان دوران خطبہ ادھر ادھر کے کاموں میں مشغول رہیں تو قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندے سے پوچھیں گے کہ میرے بندے! کیا تم نے میرے لیے نماز پڑھی تھی؟ اگر بندہ کہے گا کہ ہاں! میں نے آپ کی رضا کے حصول کے لیے نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو خطاب کریں گے کہ اس کو نمازیوں کی جنت میں لے جاؤ، نماز کی طرف دعوت دینا بھی تعمیر مسجد میں داخل ہے، قرآن کریم میں آیا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر جم جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ غم نہ کرو، اور خوف نہ کھاؤ اور اس جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

مسجدوں کو آباد کرنے والے خوف اور غم سے خالی ہوتے ہیں

دنیا میں سب سے زیادہ ستانے والی چیز خوف اور غم ہے، بڑے سے بڑا بادشاہ ہو ہر وقت خوف وغم میں ہوتا ہے کہ کہیں اس کو کوئی مار نہ دے، کہیں اس کی سلطنت نہ چلی جائے، اللہ تعالیٰ کی ضمانت ہے کہ جو مسجدوں کو آباد کرنے والے ہیں ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم، کیونکہ ان کا سہارا اللہ ہے اور قرآن کریم میں آیا ''ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ'' جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ اس کی کفایت کرے گا۔

اللہ کی عبادت رزق کی ضامن ہے

دنیا میں رزق کا معاملہ سب سے اہم سمجھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو روزی دینے کا وعدہ کیا ہے، پہاڑ اور پتھر بھی زندہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بھی روزی کا انتظام کیا ہے۔ ایک صاحب تھے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح روزی کا انتظام کیا ہے تو دوسرے صاحب نے جواب دیا کہ فلاں پہاڑ پر جائے اس میں ایک بڑی چٹان ملے گی، اس

چٹان کو اگر توڑا جائے تو اس سے ایک چھوٹی چٹان نکلے گی، اس کو بھی اگر توڑا جائے تو اس میں ایک جاندار کیڑا ملے گا، تو معلوم ہوگا کہ اللہ رب العزت کس طرح روزی دیتا ہے، زمین کی تہوں میں اور سمندر کے اندرون میں جو مخلوقات ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی روزی دیتا ہے۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام ایک غزوہ میں تھے، سامان رسد ختم ہوگیا، روزی کی تلاش تھی اللہ تعالیٰ نے سمندر سے خشکی پر ایک بڑی مچھلی پانی کی موجوں سے ڈال دی جس سے صحابہ کرام خوش ہوئے اور اللہ رب العزت کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا، اور دوران قیام اس رزق سے خوب فائدہ اٹھایا۔

مسجدیں مقصد حیات کو متعین کرتی ہیں

ہم کو اس دنیا میں کیا کرنا ہے؟ ہم کیوں بھیجے گئے ہیں؟ یہ باتیں ہم کو حدیث اور سنت سے معلوم ہوگی، سیرت میں چوبیس گھنٹے کا پورا نظام مل جائے گا ہم جس قدر سیرت پر عمل کریں گے اسی قدر اللہ رب العزت ہم کو دنیا وآخرت کی بھلائیوں سے نوازیں گے، قرآن میں آیا ہے "لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة" تمہارے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے خاص طور سے ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں، اس اعلان کے مطابق صحابہ کرام نے رسول پاک ﷺ کی ایک ایک سنت کو اپنی زندگی میں منتقل کیا، علماء امت اور غیرت مند افراد نے اپنے آپ کو سیرت کے کے نمونہ کے مطابق ڈھالا، یہ چیزیں اسی وقت حاصل ہوں گی جب ہم مسجدوں کو آباد کریں گے، دعا کے ذریعہ، تلاوت کے ذریعہ، ذکر وتسبیح کے ذریعہ، نوافل اور دیگر عبادات کے ذریعہ، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"واذا سألك عبادي عني فاني قريب أجيب دعوة الداع اذا دعان فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون

''جب میرے بندے مجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (بتا دیجئے کہ) ان سے قریب ہوں، جب وہ مجھ کو پکارتے ہیں تو میں ان کی پکار سنتا ہوں، تو انہیں چاہئے کہ میری پکار پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں، تا کہ راہ یاب ہوں۔'' (بقرہ:۱۸۶)

اللہ کو اپنے ہر بندے سے بے پناہ محبت ہے

اس وقت دنیا کی آبادی چھ ارب سے بھی زیادہ ہے یہ پوری آبادی اللہ کا کنبہ ہے، اللہ کو اپنے ہر بندے سے بے پناہ محبت ہے، وہ کافر کو بھی روزی دیتا ہے اور مسلم کو بھی ہم اپنے معاشرہ کو دیکھیں معلوم ہوگا کہ ایک باپ کے کئی لڑکے ہیں وہ باپ تمام کا خیال کرتا ہے خوشی اور غمی میں ان کے ساتھ ہوتا ہے، اگر کوئی لڑکا باغی بھی ہو جائے تب بھی اس کی مصیبت میں اس کا ہاتھ بٹاتا ہے، اسی طرح اللہ رب العزت ان لوگوں کا بھی خیال کرتے ہیں، روزی دیتے ہیں، انعامات سے نوازتے ہیں جو ان کو نہیں مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے رب ہیں، انہوں نے ہماری جان و مال کو خرید لیا ہے، اس کے عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے، جنتیں بہت سی ہیں، سونے کی جنت، چاندی کی جنت، ہیرے جواہرات کی جنت وغیرہ، اللہ تعالیٰ نے نافرمان بندوں کے لیے جہنم تیار کر رکھا ہے، تاکہ اس کے خوف سے وہ اطاعت کا راستہ اختیار کر سکیں۔

مسجدیں توحید کا مرکز ہیں

حضرات! قرآن کریم میں آیا ہے "وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحدا" کہ مسجدیں اللہ کی ہیں، تو اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو یعنی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، مسجدیں اس لیے ہیں تاکہ ہماری زندگی موحدانہ ہو جائے، ہمارے معاشرے میں انقلاب آجائے، تبدیلی پیدا ہو جائے، لوگ مثال دیں کہ فلاں معاشرہ بہت اچھا ہے، فلاں محلہ ایمان والوں کا ہے، دینداروں کا ہے، یہ خصوصیت اسی وقت پیدا ہوگی جب ہم مسجدوں سے جڑیں گے، ان کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے اپنی زندگی گزاریں گے، گھروں کو بھی نمازوں سے اور عبادتوں سے آباد کریں گے، قرآن کریم میں آیا ہے "یا أیها الذین ان تتقوا الله یجعل لکم فرقانا" اے ایمان والو! اگر اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو شان امتیازی عطا کر دے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمدالله رب العالمین۔

دعوت دین اور اس کے لازمی شرائط☆

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدالأنبياء وامام المرسلين والمتقين محمد وعلىٰ آله وصحبه أما بعد ! قال الله تعالىٰ : وجاهدوا فى الله حق جهاده هو اجتباكم وما جعل عليكم فى الدين من حرج ، ملة أبيكم ابراهيم هو سماكم المسلمين من قبل هذا وفي هذا ليكون الرسول شهيدا عليكم وتكونوا شهداء على الناس فأقيموا الصلاة و آتوا الزكاة واعتصموا بالله هو مولاكم فنعم المولىٰ ونعم النصير۔ (سورہ حج:۷۸)

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کے کام میں کوشش کرتے رہو، جو اس کی کوشش کا حق ہے۔ اسی نے تم کو برگزیدہ کیا۔ اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی۔ تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر قائم رہو، اسی نے تمہیں مسلم قرار دیا۔ پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی۔ تاکہ رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں، اور تم سب لوگوں کے مقابلہ گواہ ٹھہرو۔ سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکاۃ دیتے رہو، اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو، وہی تمہارا کارساز ہے۔ سو کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار۔''

اللہ تعالیٰ کے نمایاں تین احسانات

محترم حضرات، قابل احترام علماء کرام، اور دین کے کام میں مشغول رہنے والے بھائیو!

☆ مرکز تبلیغ ودعوت امین آباد لکھنؤ میں علماء وخواص کے اجتماع سے خطاب خاص ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء

اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ اس نے ہم کو انسان بنایا، انسان اشرف المخلوقات ہے، تمام مخلوقات میں اس کو اللہ رب العزت نے عقل، فہم اور دیگر خصوصیات سے نوازا، اپنے ہاتھ سے اللہ رب العزت نے اس کی تخلیق فرمائی، یہ انسان دیکھنے میں تو ایک مشت خاک ہے، لیکن اس کی وسعت اتنی ہے کہ یہ کونین میں بھی سما نہیں سکتا، مزید اللہ تعالیٰ نے یہ فضل فرمایا کہ ہم کو مسلمان بنایا، یہ ہوسکتا تھا کہ ہم انسان ہوتے، ہاتھ، پاؤں، کان، ناک رکھتے، انسانوں جیسے عمل کرتے، لیکن ایمان کی دولت سے محروم ہوتے، مسلمان ہونا یہ مزید توفیق الٰہی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"واذکروا نعمة الله علیکم اذ کنتم أعداء فألف بین قلوبکم فأصبحتم بنعمته اخوانا و کنتم علی شفا حفرة من النارفأنقذکم منها کذلك یبین الله لکم آیاته لعلکم تهتدون" اور اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو، اور جب تم باہم دشمن تھے، تو اس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی، سو تم اس کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے گڈھے کے کنارے پر تھے، سو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا، اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کر سناتا رہتا ہے، تاکہ تم راہ یاب رہو۔ (آل عمران:۱۰۳)

لہٰذا اسلام سب سے بڑی نعمت ہے، اس نعمت کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، اس نعمت کے ساتھ اللہ رب العزت نے علم کی دولت سے سرفراز فرمایا، کیونکہ علم ہی خیر وشر کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، علم کے ذریعہ انسان اللہ کی معرفت بھی حاصل کرتا ہے، اور کائنات کی بھی، العلماء ورثة الانبیاء (علماء انبیاء کے وارث ہیں) برحق ہے، علماء مال ودولت کے وارث نہیں بناتے، بلکہ دعوت وتبلیغ کا وارث بناتے ہیں، اس لئے ہماری ذمہ داری امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ہے۔

دعوت کا راستہ ہی صراط مستقیم ہے

حضرات!

یہ امت دنیا کی تمام امتوں میں سب سے بہتر امت ہے، اس کو بہتر راستہ دیا

گیا ہے، وہ صراط مستقیم ہے، قرآن کریم میں ہے، "وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله، ذلكم وصاكم به لعلكم تتقون" (انعام:۵۳) اور یہ بھی کہہ دیجئے یہی میری سیدھی شاہ راہ ہے تو اسی پر چلو، اور دوسری راہوں پر نہ چلو، کہ وہ تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اس کا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔ صراط مستقیم کی دعا ہر نماز میں کی جاتی ہے، صراط مستقیم وہ راستہ ہے جس پر انبیاء، صدیقین، شہداء، اولیاء اللہ اور نیک بندے چلے، اسی راہ پر لوگوں کو لانے کے لئے دعوت کی محنت ہوتی ہے، اس محنت میں اللہ رب العزت کی توفیق کو خاص دخل ہے، دعوت کا راستہ الٰہی راستہ ہے، اسی وجہ سے قرآن کریم میں آیا ہے، وجاهدوا في الله حق جهاده " اللہ کی راہ میں انتھک کوشش کرو، کیونکہ اللہ نے تم کو منتخب کیا ہے، دین میں کوئی کمی نہیں رکھی ہے، اس میں ہر مسئلہ کا حل موجود ہے، خواہ وہ مسئلہ معاشرتی ہو یا ثقافتی، سیاسی ہو یا اجتماعی، اقتصادی ہو یا اخلاقی، ہر درد کا درماں اسی مذہب اسلام میں موجود ہے، زمانہ لاکھ ترقی کر جائے، سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں نئی نئی دریافتیں آجائیں، ایجادات کے انبار لگ جائیں، لیکن اگر انسانیت کو کہیں سے سکون حاصل ہوگا تو وہ مذہب اسلام ہے، اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ دین میں کوئی کمی نہیں ہے، دین چودہ سو سال پہلے تھا، اور لوگوں کی ضروریات پوری کر رہا تھا، اور آج بھی ہے جو لوگوں کے مطالبات کو پورا کر رہا ہے، دین آسان ہے، اس میں دشواری نام کی کوئی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ ہی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، سچا مسلمان وہ ہے جو اسلامی تعلیمات پر صد فیصد عامل ہو، دین مکمل ہے اسلام کی نعمت بھی مکمل ہے، اس لئے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے مکمل طور پر اختیار کرنے کا مطالبہ کیا ہے، ارشاد ہے "يايها الذين آمنوا ادخلوا في السلم كافة ولا تتبعوا خطوات الشيطان انه لكم عدو مبين" اے ایمان والو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، کیونکہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے"۔

ایک صحابی کا جائزہ اور محاسبہ

حضرات علماء کرام!

صحابہ کرام میں ایک صحابی ایسے تھے، جو اکثر اوقات رسول اکرم ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، ایک ایک سنت پر عامل تھے، لیکن ان کے دل کے اندر ایک خیال آیا کہ کہیں ہمارا آپ ﷺ کے ساتھ رہنا عُجب اور خود بینی کا باعث تو نہیں، چنانچہ اپنا جائزہ لیتے ہوئے انہوں نے ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھ کو جنت سے قریب کردے، اور دوزخ سے دور کردے، آپ ﷺ نے ان کے سوال کو سمجھ لیا، چنانچہ فرمایا: تم نے ایک بڑی بات کا سوال کیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جس کے لئے آسان کردیں تو اس کے لئے آسان ہے اور فرمایا: اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکاۃ دو، اور اگر وسعت ہو تو حج کرو، یہ وہ اعمال ہیں جن کو وہ صحابی خوبی کے ساتھ کر رہے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کو جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے دور رہنے کا جو نسخہ بتایا وہ ان ہی اعمال سے عبارت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو برابر اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے، کسی ذات سے قربت اسی وقت مفید ہوگی جب اعمال ساتھ دیں گے، اور اخلاص نیت کے ساتھ کئے گئے ہوں گے اور اگر اس میں کمی ہے تو اللہ ہی اس شخص کا مالک ہے۔

کبر وغرور کی ہلاکت خیزی

حضرات!

ان صحابی کا نام جنہوں نے سوال کیا تھا، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہے، معاذ ابن جبلؓ نے یہ سوال اس لئے کیا تھا تاکہ ان کے دل کی اندر رفاقت رسول ﷺ سے کوئی عجب نہ پیدا ہو، مجھے اجازت دیجئے کہ میں کہوں کہ خواص کے طبقے میں کبر بھی بہت زیادہ پایا جاتا ہے، کبر کے ذریعہ انسان اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے، اور اپنا نقصان آپ اٹھاتا

ہے، کبر بہت سی برائیوں کی جڑ ہے، شیطان رجیم نے تمام برائیوں کا ذمہ لیا تھا، اوران میں وہ سرگرم ہے، اس وجہ سے اکثر افراد خواص بھی اس مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں، تواضع اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، حدیث شریف میں آیا ہے: من تواضع لله رفعه الله ، جواللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند مرتبہ کر دیتا ہے، کبر کے حوالہ سے ایک حدیث میں آیا ہے کہ بڑائی میری چادر ہے، عظمت مرا ازار ہے، جو شخص بھی مجھ سے اس کو لینے کی کوشش کرے گا، میں اس کو مٹادوں گا۔

حضرت تھانویؒ کی فراست

حضرت تھانویؒ کے یہاں ایک صاحب آئے، انہوں نے کہا کہ حضرت! بیعت کر لیجئے، حضرت نے فرمایا کہ میں آپ کو بیعت نہ کروں گا، کیونکہ آپ کے اندر کبر کا مرض ہے، انہوں نے کہا: حضرت! اس کے ازالہ کی کیا شکل ہے، فرمایا کہ خانقاہ کے باہر جو عام شاہ راہ ہے، اس پر روزانہ جھاڑو دیا کیجئے، وہ اخلاص نیت کے ساتھ آئے تھے، استفادہ کرنے کا جذبہ تھا، چنانچہ انہوں نے اس کو گوارہ کیا، چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ لوگ ان صاحب کی بہت زیادہ عزت کرنے لگے، لوگوں میں وہ محترم بن گئے کہ یہ حضرت کے بہت قریب ہیں، اس طرح دوسری سمت سے ان کے اندر عجب کا مرض داخل ہونے لگا، حضرت تھانوی نے ان کی یہ ڈیوٹی تبدیل کر دی، اور فرمایا کہ آپ اس کام کو چھوڑ کر وضو خانہ کے تمام لوٹوں میں پانی بھر دیا کریں، اس سے آپ کو فائدہ ہوگا، چنانچہ انہوں نے یہ کام شروع کر دیا، بہت ہی درماندہ بنکر، عاجز بن کر، اللہ کا کام کرنا چاہئے، اللہ کا کام ہے، وہ جس سے چاہے لے لے، اور اس کو سعادت مند بنا دے، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے بارے میں سنا ہے کہ حضرت کے یہاں سارا کام ان کے مسترشدین کیا کرتے تھے، ہر کام میں پیش پیش رہتے، کسی بھی پریشانی کی کوئی شکایت نہیں ہوئی، یہ نتیجہ تھا تواضع اور خاکساری کا۔

تکبر تمام برائیوں کی جڑ

حضرات!

کبر بہت سی برائیوں کی جڑ ہے، اسی سے بغض، حسد، کینہ، عداوت، غفلت وغیرہ امراض پنپتے ہیں، تکبر ایسا بھیانک مرض ہے جو سیکڑوں سال کی عبادت کو بس چند گھنٹوں میں خاک میں ملا دیتا ہے، جہاں تکبر ہوا، وہاں تباہی آئی اور انسان غارت ہوا، انسان کو ہر وقت یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ رب العزت نے اس کو جان بھی دی اور مال بھی دیا ہے، پھر اس نے جان و مال کو انسان سے جنت کے عوض خرید لیا ہے، یہ سودا ایسا سودمند اور نفع بخش ہے کہ اس کا تاجر اللہ کی فضل سے کبھی گھاٹے میں نہیں رہے گا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان اللہ اشتری من المؤمنین أنفسھم و أموالھم بأن لھم الجنة (بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے)۔

دعوت کا کام کرنے والوں کے لئے ایک بنیادی شرط

حضرات!

خواص کے طبقہ میں جو امراض ہیں اگر ان کا ازالہ نہیں ہوا تو وہ ناسور کی شکل اختیار کر لیں گے، اور پورا معاشرہ ان سے متاثر ہوگا، اس لئے دعوت کا کام کرنے والے افراد کو برابر اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اپنے کو فراموش کر کے دوسروں کو اصلاح کا اور دعوت کا مستحق سمجھ رہے ہیں، اور اپنے کو غلطیوں سے مبرا خیال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے ہماری مدد فرمائے اور ہمارے لئے خیر کو مقدر فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا أن الحمدالله رب العالمین

جنت حاصل کرنے کے آسان اعمال☆

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الأ نبیاء وإمام المرسلین والمتقین محمد وعلی آلہ وأصحابہ وعلی من تبعھم بإحسان إلی یوم الدین :أما بعد ۔

فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم ، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم إن الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزّل علیھم الملائکۃ أن لا تخافوا ولا تحزنوا وأبشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ۔صدق اللّٰہ العظیم :

ایک اہم سوال

حضرات علماء کرام اور میرے بزرگو اور دوستو، بھائیو اور معزز خواتین!

میں سب سے پہلے ادب کے ساتھ آپ حضرات کے سامنے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں، امید ہے کہ آپ مجھے اجازت دیں گے اور اسکا جواب بھی عنایت فرمائیں گے۔

وہ سوال یہ ہے کہ ہم جو زندگی گزار رہے ہیں اس کا اسلام سے کیا تعلق ہے؟ موروثی انداز میں ہم اسلام کے حامل ہوئے، کچھ عادتیں ہیں، کچھ رسومات ہیں، کچھ طور وطریقے ہیں، جن کے ہم عادی ہیں، ایک طبقہ وہ ہے جو نماز وروزہ کا بہت زیادہ پابند ہے، اور دین کو ان جیسے کچھ اعمال میں محدود سمجھتا ہے، اسلام کا آفاقی نظام اس کے عمل سے باہر ہے، ایک طبقہ وہ ہے جو اسلامی معاشرت کا پرزور حامی، اور اس کا مبلغ ہے، لیکن عملی زندگی میں اس کی نمائندگی بھی

☆مدرسہ باب العلوم کلکتہ کے جلسۂ عام کی تقریر، جو ۱۶ر دسمبر ۲۰۱۲ء کو منعقد ہوا تھا، اس تقریر کو محمد امین مہار اشٹری نے نقل کیا۔

برائے نام ہے۔ جب کہ صحابہ کرام جو صحبت رسول ﷺ شرف یاب تھے، انہوں نے دین کے جملہ احکام وتعلیمات کو اپنا معمول بنایا تھا، فرائض کے ساتھ نوافل کے بھی پابند تھے، کچھ اضافی اعمال بھی ان کے وجود سے برابر جاری رہتے تھے، لیکن انہیں برابر یہ فکر ستاتی تھی کہ وہ کون سے اعمال ہیں جو جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بنیں گے اور کون سے وہ اعمال ہیں جو جہنم سے دور رکھیں گے۔

اسی جذبہ سے متاثر ہو کر ادب کے ساتھ اس عظیم الشان اور عظیم المرتبت صحابی کے بارے میں جنہوں نے حضور پاک ﷺ کی تربیت میں زندگی گذاری تھی اور شب وروز ان کی خدمت میں وقت گذارتے تھے اور ان سے سب کچھ سیکھ رکھا تھا اور ان پر سختی کے ساتھ عمل پیرا تھے کہ اسلام کیا چیز ہے، ہم کو کس طرح زندگی گذارنا چاہیے اور ہم کن کن چیزوں کی نمائندگی کرتے ہیں اور ہم کو اللہ کی عبادت کس طرح کرنی چاہیے، اور ہمیں کائنات کے حقائق اور عقیدہ توحید پر کس طرح ایمان لانا چاہیے، اللہ تعالیٰ سے کس طرح مانگنا چاہیے اور ہمیں نماز کس طرح پڑھنی چاہیے، ہمیں زکاۃ کب اور کس طرح دینی چاہیے ہمیں رمضان کا روزہ کس طرح رکھنا چاہیے اور کیا کیا کرنا چاہیے اور کس طرح کرنا چاہیے اور ساری چیزیں ان کو معلوم تھیں اور وہ حضور پاک ﷺ کی تربیت میں ہر وقت حاضر رہتے تھے، اس کے باوجود بھی ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ پتا نہیں، ہمارے یہ اعمال اللہ تعالیٰ کی نظروں میں قبول ہیں یا نہیں؟ صحابہ کرام حضور پاک ﷺ کی خدمت میں تشریف فرما ہیں اور سارے اعمال حضور پاک ﷺ کی تربیت کے مطابق انجام دے رہے ہیں اور اسلام کی پوری پوری نمائندگی کر رہے ہیں (اور اسلام، ایمان اور عقیدۂ توحید یہ تمام چیزیں اسلام کے ماننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ساری چیزیں ان کے اندر موجود ہوں) لیکن اس کے باوجود بھی ان کے دل میں بار بار یہ خیالات آتے رہے کہ ہمارے یہ اعمال اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول بھی ہیں یا نہیں؟ ہمیں جنت ملے گی یا نہیں؟ ہمیں دوزخ سے نجات ملے گی یا نہیں؟ بار بار یہ خیالات آتے رہے کہ ان کا مال ومنال، حسب ونسب، عزت وشرف اور جاہ ومنصب کچھ فائدہ دے گا یا نہیں؟۔

ان صحابی کا نام حضرت معاذ بن جبلؓ ہے، وہ ایک مرتبہ حضور پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! " أخبرني بعمل يدخلني الجنة و يباعدني من النار " اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتلا دیجیے جو مجھے جنت میں داخل کردے اور جہنم سے مجھے بہت دور کردے، حضور پاک ﷺ کی خدمت میں رہنے والے صحابی، وہ یہ فرمارہے ہیں یارسول اللہ ﷺ! "مجھے ایسا عمل بتلا دیجیے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالی مجھ کو جنت میں داخل کردے اور مجھے جہنم سے دور کردے حضور پاک ﷺ نے فرمایا: تعبد الله و لا تشرك به شيئا۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے، کیا وہ عبادت نہیں کرتے تھے؟ کیا وہ اللہ کے ساتھ خدانخواستہ کسی چیز کو شریک کرتے تھے؟ لیکن جب انہوں نے یہ پوچھا تو حضور پاک ﷺ نے یہ بتایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، جب کہ وہ ایسا کرتے تھے کہ ایک اللہ کی عبادت میں مصروف تھے اور شرک سے بہت دور تھے، اس کے باوجود بھی انہوں یہ بات پوچھی اور حضور پاک ﷺ نے سچی بات بتادی " تعبد الله و لا تشرك به شيئا وتقيم الصلاة و تؤتي الزكاة وتصوم رمضان وتحج البيت " آپ ﷺ نے فرمایا کہ شرک نہ کرو، نماز پڑھو، زکاۃ دو، رمضان کے روزے رکھو، اگر تمہاری حیثیت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو، یہ ساری باتیں پہلے سے ان کو معلوم تھیں، لیکن آپ ﷺ نے یہ ساری باتیں پھر ان کو بتائیں، ایسا نہ ہو کہ از راہ غفلت کسی سے کوئی کوتاہی ہو یا کوئی ایسی بات نہ پیش آئے کہ وہ ان کے لئے غبار خاطر بن جائے۔

حضرات!

حضور پاک ﷺ نے سچی باتیں بتادیں، حضور پاک ﷺ کے ساتھ رہنے والے صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ ہر وقت اس خوف میں رہا کرتے تھے کہ ہم اتنا عمل کرتے ہیں اور حضور پاک ﷺ کی سرپرستی میں زندگی گذار رہے ہیں، لیکن معلوم نہیں کہ ہمارا انجام کیا ہوگا اور ہم کہاں جائیں گے؟ ہماری کیا حیثیت ہوگی؟ ہم جنت میں جائیں گے کہ نہیں جائیں

گے؟ خدانخواستہ ہمارے اعمال قبول ہوں گے یا نہیں ہوں گے؟

یہ ساری باتیں ان کے دل میں کھٹکتی تھیں تو انہوں نے حضور پاک ﷺ سے پوچھا، چنانچہ آپ ﷺ نے بتایا کہ ایک خدا کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکاۃ دیتے رہو، رمضان کے روزہ رکھو اور بیت اللہ کا حج کرتے رہا کرو، یہ ہمارے لئے بڑے غور وفکر کی بات ہے، کیا ہم نے کبھی سوچا؟ ہمیں مزید یقین پیدا کرنے کے لئے، اپنے اندر یقین کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کے لئے اور ایمانی کیفیت کو مضبوط کرنے کے لئے از سر نو محنت کرنی پڑے گی، ایمان کو پختہ بنانا پڑے گا، اس میں مزید پختگی پیدا کرنے کی ضرورت پیش آئے گی اور خلوص نیت کے ساتھ اعمال کرنے پڑیں گے۔

صحابہ کرام کا یہ سوچنا کہ ہم جنت میں جائیں گے کہ نہیں جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کو قبول فرمائیں گے کہ نہیں فرمائیں گے اور ان اعمال کو منظور کریں گے یا نہیں کریں گے، یہ بات قابل غور ہے، ہم لوگ جو زندگی گذار رہے ہیں کیا ہمیں معلوم بھی ہے کہ ہماری زندگی کیسی گذر رہی ہیں اور ہم کس حال میں گذر رہے ہیں، اگر ہم اپنے آپ کو یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سب سے اچھے، سب سے سچے اور سچے پکے مسلمان ہیں اور ہم پوری قوم کی نمائندگی کرتے ہیں تب بھی ہم کو سوچنا چاہئے کہ واقعی ہم اپنی زندگی پر غور کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہیں؟ اسلامی طریقہ کے مطابق صحیح جائزہ لیتے ہیں یا نہیں لیتے ہیں اور سارے سلیقہ سے کوئی عمل کرتے ہیں کہ نہیں کرتے، شیروانی پہن کر کے اور عمامہ باندھ کر ہم اسلام کی نمائندگی کرتے ہیں یا نہیں؟ اور اللہ تعالیٰ پر یقین کامل کے ساتھ اور عقیدۂ توحید پر پورے یقین کامل کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت پوری عظمت کے ساتھ اور اپنی پوری توانائیوں کو صرف کر کے عمل کرتے ہیں یا نہیں؟!۔

اللہ کا رنگ نفع بخش رنگ ہے

حضرات!

اسلام کا مطالبہ ہے کہ ہماری زندگی پوری طرح سے ایک رنگ میں رنگ جائے،

جواللہ تعالیٰ کا رنگ ہے: "صبغة الله و من أحسن من الله صبغة "اللہ کا رنگ ایک نفع بخش رنگ ہے، اللہ کے رنگ کو پکڑو اور ہمیں کون سا رنگ چاہئے، ہماری زندگی کے اندر اللہ کا رنگ موجود ہے یا موجود نہیں ہے؟ یہ صحابہ کرام اللہ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور لوگوں کی اصلاح کرتے تھے، ہمیں بھی اللہ کے رنگ میں رنگنا ہوگا، صحابہ کرام اللہ کے رنگ میں اس طرح رنگے ہوئے تھے کہ ان کو دیکھ کر بہت سے ایسے غیر مسلم بھی اسلام قبول کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی زندگی عطا فرمائی ہے اور ایسا دین عطا فرمایا ہے کہ اس دین کو اگر ہم اختیار کرنے لگے تو ہماری سامنے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے ہماری زندگی میں جو عام مسائل پیدا ہوتے جارہے ہیں اور دن بدن جو ہمارے مسائل میں زیادتی ہوتی جارہی ہے اس کا حل نہیں نکل رہا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری زندگی دینی زندگی کے مطابق کامل نہیں ہے اگر یہ زندگی حاصل کرنی ہے تو اس کے لئے اپنی توانائیوں کو صرف کرنا پڑے گا اور جب تک غفلت کو دور نہیں کریں گے اس وقت تک ہمیں پوری طرح کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ طرح طرح کے حالات پیش آئیں گے۔

حضرات!

پوری دنیا میں جو آبادی ہے اس میں چوتھائی تعداد امت مسلمہ کی ہے، ساری دنیا کی آبادی ساڑھے چھ ارب ہے اور اس میں مسلمانوں کی آبادی ڈیڑھ ارب ہے، تو آپ تو چوتھائی دنیا کے مالک ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ کے اندر آپ کے مسائل اس قدر ہیں کہ آپ طرح طرح کی پریشانیوں اور آپ طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہیں اور جب بھی دیکھئے، تب آپ سے کوئی نہ کوئی آکر کہتا ہے کہ اس کے لئے کوشش کرنی پڑتی ہے، اس کے لئے حکومت کے ذمہ داروں سے کہنا پڑتا ہے کہ صاحب! یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے یہ غلطی ہے اس کو دور کیا جائے، وہ بے قصور کو مار رہے ہیں، اسے بے جا بند کر رکھا ہے وہ بے قصور ہیں اور بے قصور کو سزا دی جارہی ہے، اس بے قصور کو باہر نکالا جائے اور اس بے قصور کو کیوں پکڑا گیا؟ یہ سب اس لئے ہوا کہ نہ وہ صحیح معنوں میں مسلمان تھا اور نہ ہی اپنے مسلمان ہونے کو ظاہر کیا، اس لئے وہ

پکڑا گیا، جو بھی مسلمان اس طرح کرے گا اور اپنے مسلمان ہونے کو چھپائے گا اور ایسا نام گول مول رکھے گا کہ جس کا سمجھنا دشوار ہو، کسی مصلحت کی بنا پر یا کسی دنیاوی مصلحت کی بنا پر یا کسی تجارتی مصلحت کی بنا پر، یا کوئی ایسا رمزی نام رکھ کر کہ اگر یہ ظاہر کرے کہ یہ مسلمان نہیں ہے بلکہ غیر مسلم ہے تو اس کا نقصان ہوگا اور کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

سیرت رسول ﷺ ہر عصر کے لئے بہترین نمونہ

میرے بھائیو:

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہمارے صحابہ کرام ڈرتے تھے اس بات سے کہ ہمارے یہ اعمال قبول کئے جائیں گے یا نہیں؟ حالانکہ یہ کہ وہ حضور پاک ﷺ کی صحبت میں زندگی گذارتے تھے اور شب و روز آپ ﷺ کی خدمت میں رہتے تھے تو پھر ہم کیسے کہتے ہیں کہ ہم اسلام کی پوری نمائندگی کرتے ہیں اور ہم کو جنت مل جائیگی۔

میرے بھائیو!

ہمیں جنت میں جانے کے لئے کوشش کرنی چاہیے اور ہر طریقے سے محنت کرنی چاہیے جو طریقہ آپ ﷺ نے ہمیں سکھایا، اس لئے کہ حضور پاک ﷺ کی سیرت حضور پاک ﷺ کی زندگی کا عملی نمونہ ہے، ہر اعتبار سے، تجارت کے اندر ہی نہیں، دین کے اندر ہی نہیں، بلکہ ہر چیز کے اندر، معاملات کے اندر، اخلاقیات کے اندر اور تعلقات کے اندر، اللہ کے کاموں کے اندر اور لوگوں سے معاملات اور لوگوں سے تعلقات کے اندر، اور دنیا میں ہمیں کس طرح زندگی گذارنا چاہیے، دنیا کی ہر عیش و عشرت کے اندر، کام کے اندر، ہر حال میں حضور پاک ﷺ کا اسوۂ حسنہ موجود ہے: "لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر، وذكر الله كثيرا" (احزاب:۲۱) اللہ نے اسوہ کہا، اخلاق نہیں کہا، اس لئے کہ اسوہ کے اندر آخرت کے اعتبار سے جتنے بھی پہلو ہیں اس کا تعلق تقویٰ سے ہے۔

حضرات!

حضور پاک ﷺ کو اللہ نے سب سے پہلے قابل اعتبار اور مکمل دین عطا فرما دیئے

ہیں، کلی طور پر جس خیر کو حضور پاک ﷺ نے بتایا ہے جو سیرت اور دیگر کتابوں میں محفوظ ہے، آپ ﷺ کے حالات ان کتابوں کے اندر موجود ہیں اور حضور پاک ﷺ کی زندگی کے اندر موجود ہیں، ہم ان سب کو پڑھ سکتے ہیں اور ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کی روحانی زندگی کیسی تھی اور ہماری روحانی زندگی کیسی ہے اور ہماری زندگی عمل سے کس قدر دور ہے۔

اسلام کا اظہار بھی ایک دینی فریضہ

حضرات!

ہر انسان پر ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے عقیدہ کو اسلام کے مطابق بنائے، حضور پاک ﷺ کے عمل کو اپنائے اور اس عمل کو جو حضور پاک ﷺ کا عمل تھا اور جو آپ ﷺ نے ہمیں بتایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کیا تھا اس پر غور کرے اور اپنی زندگی کو اس رنگ میں رنگے، تاکہ ہمیں کسی قسم کی کوئی فکر اور کوئی رنج وغم اور پریشانی نہ ہو اور کوئی مسئلہ نہ باقی رہے۔ اگر کچھ مسائل پیش ہوں تو ان سے بچنا چاہیے اور اپنے مسائل کو پیچیدہ بنا کر ظاہر نہیں کرنا چاہئے اور کسی دنیاوی مصلحت کی بنا پر لوگوں کے سامنے پیش کر کے کیا مسلمان ہم بن سکتے ہیں، ہم چہرے سے مسلمان ہیں: "ومن أحسن قولا ممن دعا الى الله وعمل صالحا وقال انني من المسلمين" کے ماتحت فخر کے ساتھ کہتا ہے اور بے روک ٹوک اعلان کرتے ہیں کہ ہر حال میں اور ہر موقع پر، ہر جگہ اور ہر راہ میں ہم مسلمان ہیں: انني من المسلمين "(میں تو مسلمان ہوں)۔ اس سے بڑے رتبہ والا کون شخص ہوسکتا ہے جو کہے فخر کے ساتھ کہ میں مسلمان ہوں، میں مسلمان ہوں، ہر مومن کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، ہر ماڈل کا مسلمان ہوں، ہر چیز کا مسلمان ہوں، اللہ کے پاس میں مسلمان ہوں، حضور پاک ﷺ کے تعلق اور رتبہ اور ہر حکم میں اور محبت میں، میں مسلمان ہوں اور انسانیت کی بنا پر کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور ہر مسلم شخص کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور عورت کہتی ہے کہ میں مسلمان ہوں، بچہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، غیر مسلم بھی کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، ہم سب مل کر کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، ہر شخص ہر جگہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، ہمیں ہر جگہ مسجد نہیں ملے گی، لیکن ہر

جگہ مسلمان بندے ضرور ملیں گے، اس اعلان کا چاہے جو بھی انجام ہو، لیکن ہمیں یہی کرنا ہے، اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرمارہا ہے:

"ومن أحسن قولًا ممّن دعا الی الله وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین"

کہ جو اللہ کی طرف دعوت دے، اللہ تعالیٰ اس امت کو امت دعوت بتارہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس امت کو امت ہدایت بنایا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ فضیلت دی ہے کہ ہم دنیا کی رہبری کریں، ہم اس دنیا کی اصلاح کریں، اس لئے کہ اصلاح ہماری معاشرتی ذمہ داری ہے، ہمارے معاشرہ کے اندر جو خرابی ہے اسے ہم دور کریں، اپنے اعمال سے دور کریں، اپنے قول سے دور کریں، اپنے کردار سے دور کریں، اپنے سلوک سے دور کریں، اپنے انوار سے دور کریں، اپنی زندگی کے عمل سے دور کریں، اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو ہماری بہت بڑی غلطی ہوگی اور ہم ایک بیش قیمت چیز سے محرومی کا تمغہ حاصل کریں گے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں امت ہدایت بنایا اور پوری دنیا کی سب سے عجیب اور بڑی نعمت ہمیں عطا کی ہے، پوری دنیا کی ایک زبردست قیادت عطا کی ہے، لیکن ہم نے اس پر کنٹرول نہیں رکھا ہے اور اسکو خیر باد کہہ دیا ہے، اس لئے آج آپ کو اور ہم کو یہ کر کے دکھانا ہے۔ لیکن اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو ہم پر بلائیں، آزمائشیں اور مصیبتیں آئیں گی اور ہم کو طرح طرح کی پریشانی اور مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

دین پر استقامت اخروی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ

میرے بھائیو:

مجھے کوئی لمبی تقریر نہیں کرنی ہے، آپ کے سامنے بہت اہم باتیں بھی ہو چکی ہے، میں اس مسجد نبوی کی یاد دلانا چاہتا تھا کہ حضور پاک ﷺ کی سرپرستی میں صحابہ کرام تھے وہ بھی ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے اعمال ضائع ہو جائیں، ہم لوگوں کو جنت کا مرتبہ چاہئے اور جنت کی نعمت چاہئے، جنت کی نعمت، وہ نعمت جو ہمیشہ ہمیش کے لئے ملنے والی ہے،

اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا تھا:

"إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزّل عليهم الملائكة أن لا تخافوا ولا تحزنوا وأبشروا بالجنة التى كنتم توعدون"

یعنی یہ کہ اسلام پر جمے رہو اور اسلام کا مظاہرہ کرو، اسلام کو ہر جگہ ظاہر کرو، اس کا مظاہرہ یہ ہے کہ "قالوا ربنا الله ثم استقاموا" جن اہل ایمان سے اللہ تعالی نے فرمایا کہ اپنے ایمان پر اس پر جمے رہو، یہ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے ہم اس پر جم نہیں پاتے، استقامت ہمارے اندر نہیں ہے، آپ جو بھی کام کریں، اللہ کے لئے کریں اور جو بھی عمل کرنا ہے اللہ کے لئے کرنا ہے جو بھی کریں، صرف اور صرف اللہ کے لئے کریں ہر حال میں، ہمیں کوئی بھی روک نہیں سکتا اور نہ ہم اس سے رک سکتے ہیں ہمارا یہی عمل کرنا اللہ تعالی کو پسند ہے اور اللہ کی مرضی اسی میں ہے، اسی میں اس کی خوشی اور رضامندی ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ہماری زندگی کے اندر کیا کیا کمیاں ہیں اور کیا ہونا چاہیے، دنیا کے سامنے ہمیں اسلامی شریعت کی نمائندگی کرنی ہوگی اور اسلامی شخصیت کا مظاہر کرنا ہوگا کہ کس طرح ہم دنیا کے سامنے اسلامی شخصیت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں اور اگر ہم اسلامی شخصیت یا اسلامی شریعت کو چھپانے کی کوشش کریں گے تو اس کا نتیجہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ ان نتائج کو ہمیں خود بھگتنا پڑے گا، جو آج کل ہو رہے ہیں۔

میرے بھائیو اور دوستو:

وہ سب کچھ اختیار کرو جو اسلام نے ہم کو عطا کیا ہے اور اس زندگی کو اختیار کرو جو اسلامی زندگی میں داخل ہے اور اس اسوہ کو اختیار کرو، جو اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو عطا فرمائے تھے "إن كنتم مؤمنين" کے بعد جو فتح ہے۔ اس کے بعد ہم اپنے آپ کو دنیا سے باعزت

کر سکتے ہیں اور اخیر میں بھی اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ اعلی کامیابی فرمائے۔آمین۔

میرے بھائیو:اب میں بات کو طول دینا نہیں چاہتا اور اپنی بات کو ختم کرنا چاہتا ہوں،اس لئے کہ آپ لوگ بھی کافی دیر سے بیٹھے ہوئے ہیں،تقریبًا تین بجے سے آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور وقت کافی گذر چکا ہے اور میں آپ حضرات سے معذرت خواہ ہوں کہ میری بات طویل ہوگئی،اس لئے میں انھیں کلمات پر اکتفا کرنا چاہوں گا اور آپ حضرات سے دعاؤں کا خواست گار ہوں گا کہ آپ حضرات اپنی مقبول اور محبوب دعاؤں سے نوازیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

علمی و اصلاحی نشریات

''یہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نشر کئے گئے چند مضامین ہیں، جو متعدد مواقع پر لکھے گئے اور نشر کئے گئے، ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر بہت مختصر وقت دینی موضوعات کے لئے مختص کئے گئے تھے، اس لئے یہ نشریات مختصر ہیں۔''

مجاہد آزادی مولانا احمد اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یوں تو انیسویں صدی عیسوی کے شروع ہونے کے بعد ہی سے ملک کے بیشتر حصوں میں انگریزی حکومت سے بغاوت کے آثار شروع ہو گئے تھے۔ لیکن اس صدی کا نصف پورا ہوتے ہوتے انقلاب کی چنگاری ہندوستان کے گوشے گوشے میں روشن ہو چکی تھی۔ اور بدیشی حکمرانوں کے خلاف نفرت کے جذبات دلوں میں بھڑکنے لگے تھے، انقلاب اور آزادی کی خفیہ تیاریاں ہو رہی تھیں، اس وقت لکھنو انقلابی سرگرمیوں کا ایک عظیم مرکز بن گیا تھا، اگست ۱۸۵۵ء میں لکھنو کے انقلابیوں نے کابل کے امیر دوست محمد کو خط لکھ کر انگریزوں کے خلاف مدد مانگی تھی، ۱۸۵۶ء میں خفیہ انقلابی فوج کے لیے جوانوں کی بھرتی شروع کر دی گئی تھی، اسی زمانے میں ایک مرد مجاہد جو آزادیٔ وطن اور حفاظت دین کے جذبہ سے سرشار تھا لکھنؤ آیا، ان کا نام احمد اللہ شاہ تھا، پہلے وہ سرائے معتمد الدولہ میں ٹھہرے پھر لکھنؤ کی گھسیاری منڈی کے ایک مکان میں قیام کیا، وہ صوفیوں کے لباس میں تھے، اور اصلاح باطن کے ساتھ انقلاب کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

مولانا احمد اللہ شاہ کا اصل نام سید احمد علی ہے، وہ ۱۲۰۴ھ مدراس کے ایک مشہور مقام چنیا پٹن میں پیدا ہوئے، یہ گولکنڈہ کے آخری بادشاہ ابوالحسن تانا شاہ کی اولاد سے تھے ان کی تعلیم و تربیت بڑے لوگوں کی اولاد کی طرح ہوئی، مذہبی علوم کے ساتھ جنگی فنون کی تعلیم بھی حاصل کی، اور ایک بڑے عالم باعمل کی حیثیت سے میدان میں آئے، حیدر آباد گئے، اور وہاں سے انگلستان کا رخ کیا، ملکہ وکٹوریہ کے مہمان ہوئے، اور سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان واپس آئے، طبیعت میں انگریزوں سے نفرت کا جذبہ پہلے سے موجود تھا، وہ کسی ایسے مرشد کامل کی تلاش میں تھے جو دینی سربراہی کے ساتھ انگریزوں سے بغاوت کرنے کی تربیت بھی دیتا ہو، اس زمانے میں گوالیار کے حضرت محراب شاہ قلندر اس عمل میں مصروف تھے وہ تربیت باطن کے

ساتھ انگریزوں کے خلاف محاذ آرائی کا فرض بھی انجام دے رہے تھے اور بغاوت کی تنظیم کر رہے تھے، خود انگریز مورخین نے ان کی بہادری، صلاحیت اور حب الوطنی کی تعریف کی ہے۔

مولانا احمد اللہ شاہ جو دلآور جنگ کے نام سے بھی جانے پہنچانے جاتے تھے، حضرت محراب شاہ قلندر سے بیعت ہوئے، قلندر صاحب نے ان سے اسلام کے لئے جانبازی اور انگریزوں سے جہاد کرنے کی بیعت لی، اور غیر ملکی اقتدار کے خلاف جنگی مساعی کے لئے ان کو مقرر کیا۔ وہ مختلف شہروں کا دورہ کرنے لگے اور پھر نظر بندی کی وجہ سے انگریزوں کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، اس کام کے سلسلہ میں ان کا قیام ایک عرصہ تک فیض آباد میں بھی رہا، اسی وجہ سے بہت سے لوگ ان سے فیض یاب ہو سکے۔

مولانا احمد اللہ شاہ لکھنؤ کے دوران قیام میں ایک مرد فقیر کی صورت میں اپنا کام کرتے رہے، عوام کے دلوں میں انگریزی حکومت کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکاتے رہے، ان کے ساتھ کام کرنے والے اور ان کی مجلس میں اٹھنے بیٹھنے والے سبھی لوگ فقیرانہ لباس میں رہتے تھے، لیکن انگریز حکام کو شبہ ہو گیا اور انہوں نے مولانا کی مجلس میں آنے جانے والوں پر وہاں اٹھنے بیٹھنے کی پابندی لگا دی، مگر یہ مرد فقیر اپنے کام سے باز نہ آئے اور اپنے مشن میں پورے انہماک اور لگن سے برابر مصروف رہے، حکام نے ان کے حلقہ کو جتنا ہی تنگ کرنا چاہا اسی قدر وہ وسیع تر ہو گیا۔ ۲۰ جنوری ۱۸۵۷ء کی تاریخ تھی کہ کوتوال شہر جو مسلمان تھا مولانا کے پاس آیا اور اس نے ان کی سرگرمیوں کے بارے میں سختی سے باز پرسی کی تو مولانا نے بلا خوف و خطر فرمایا کہ ''تم مسلمان ہوتے ہوئے انگریز کے خلاف جہاد کو فرض نہیں سمجھتے، تمہارے پاس سامان جہاد مہیا ہے، میرے پاس کچھ نہیں، اس لئے مجبور ہوں اگر سامان جہاد مہیا ہوتا تو تم مجھے انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے پاتے۔

کوتوال یہ جواب سنکر مبہوت ہو گیا، لیکن بحکم سرکار اس نے مولانا پر پہرہ لگا دیا، کچھ دن مولانا نے پابندی کی سختیاں جھیل کر بہرائچ اور فیض آباد کا رخ کیا، وہ اب زیادہ کھل کر میدانوں میں آ گئے، تقریر بھی کرتے اور پمفلٹ بھی تقسیم کرتے۔ سوانح نگاروں نے لکھا ہے

کہ ان کے ایک ہاتھ میں قلم تھا تو دوسرے ہاتھ میں تلوار، انھوں نے پورے ملک میں خفیہ انجمنوں کا جال بچھا دیا، وہ دس دس ہزار کے مجمعوں میں تقریریں کرتے اور عوام دل و جان سے سنتے تھے۔ مولانا کی انقلاب انگیز تقریروں اور کوششوں سے فوج میں بھی بغاوت کے آثار رونما ہوئے، یہ دیکھ کر انگریزوں کو سخت تشویش ہوئی، انھوں نے فوج کی بغاوت ختم کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کئے، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا، پھر ہزاروں سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور شہر کے مرکزی مقامات پر عوام کے سامنے ان کو پھانسی دی جانے لگیں۔ مولانا احمد اللہ شاہ فیض آباد میں انگریزوں کے خلاف دلوں کو گرما رہے تھے، انگریز حکام نے ان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا۔ پولیس نے ان کو گرفتار کرنے سے انکار کر دیا تو فوجی دستے بھیجے گئے، مولانا اور ان کے ساتھیوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ یہ لوگ تلوار سے لڑتے، لیکن فوج بندوق چلاتی تھی، آخر کار مولانا کے پانچ آدمی ہلاک ہوگئے، اور مولانا گرفتار کر لئے گئے اور فیض آباد کی عدالت میں مقدمہ چلا کر ان کے لئے موت کی سزا تجویز ہوئی۔

مولانا کی گرفتاری سے عوام مشتعل ہوگئے، لکھنو میں منڈیاوں چھاؤنی کے اندر بغاوت شروع ہوگئی، لیکن انگریزوں نے اپنے وفاداروں کی مدد سے اس پر قابو پالیا، اور باغیوں کو برسر عام پھانسی کے تختے پر لٹکایا گیا، اس کی وجہ سے اشتعال اور بڑھا اور عوامی بغاوت ہر طرف شروع ہوگئی، انگریز کمشنر ہنری لارنس نے جان بچانے کے لئے لکھنؤ کے بیلی گارڈ میں پناہ لی۔ پورے اودھ میں ہر طرف بغاوت پھوٹ پڑی، فیض آباد میں ۸/جون ۱۸۵۷ء کو بغاوت شروع ہوگئی، پورا شہر مع فوج کے باغی ہوگیا، صوبے دار دلیپ سنگھ نے رہ نمائی کی اور پوری طرح انگریز فوجی افسروں کو قید کیا۔ اور مولانا کو جیل سے آزاد کرا کے اپنا لیڈر بنالیا۔

ادھر لکھنؤ میں ہزاروں جوان ہتھیار لئے ہوئے معرکہ کے لئے تیار کھڑے تھے کہ ان کو کوتوالی پر حملہ کا حکم ہوا، انگریزوں نے مقابلہ کیا، آخر کار وسط جون ۱۸۵۷ء تک انگریزی اقتدار سے اودھ مکمل طور پر آزاد ہوگیا، ۳۰/جون کو چنہٹ میں بھی سخت معرکہ ہوا، مولانا بھی اس جنگ میں شریک تھے اور ان کے پاؤں میں گولی لگی تھی، ۵/جولائی ۱۸۵۷ء کو واجد علی شاہ کے گیارہ

سالہ بیٹے برجیس قدر کو لکھنؤ کا حکمراں بنایا گیا۔ سارے انتظامات ان کی والدہ بیگم حضرت محل نے سنبھال لیا تھا، اسی دوران بیلی گارد کا محاصرہ ہوا، مولانا بھی اس محاصرہ میں پوری شریک رہے، لیکن انگریز اپنے وفاداروں کی مدد سے دوسرے مقامات سے فوجی کمک منگواتے رہے، بالآخر ۲۰ ستمبر ۵۷ء کو انگریزی طبقے میں فوجیں لکھنو میں داخل ہوگئیں اور نہایت بربریت اور ظلم کا مظاہرہ کیا۔ یہ سلسلہ تقریباً دو ماہ تک جاری رہا۔ لیکن لوگوں کے جذبات سرد نہیں ہوئے، بلکہ نفرت کی آگ اور زیادہ مشتعل ہوگئی، جابجا تصادم ہوتا اور لوگ بے جگری کے ساتھ انگریز فوج کا مقابلہ کرتے، اودھ کے راجے، نواب، تعلقہ دار اور جاگیر دار جنگ میں شریک تھے، ان کی فوجیں انقلابیوں کا ساتھ دے رہی تھیں، مولانا احمد اللہ شاہ اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں سے دلوں میں آگ لگا رہے تھے، ساور کر لکھتا ہے کہ ''یہ غیر معمولی شخص چار مہینے سے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ادھر سے ادھر پھر رہا تھا اور جوش و احساس کی دم ہر طرف پھونک رہا تھا''۔

مولانا نے اپنی سحر انگیز شخصیت اور شعلہ افگن تقریروں سے قومی حمیت و غیرت کی لہر دوڑا دی تھی، پنڈت رتن لال بنسل لکھتے ہیں کہ ''دس دس ہزار آدمیوں کی بھیڑ ان کی تقریر سننے کے لئے جمع ہوتی تھی اور وہ لوگوں کو بتاتے تھے کہ انگریز اگر بڑھتے گئے اور پورے ملک پر چھا گئے تو اس کا نتیجہ عوام کے حق میں کیا ہوگا، مولوی صاحب کی زبان میں کچھ ایسا جادو تھا کہ کئی کئی ہزار آدمی بت بنے ہوئے ان کی تقریریں سنتے رہتے تھے، اس طرح ہزاروں، لاکھوں آدمیوں کے دلوں میں مولوی احمد اللہ شاہ نے دیش بھگتی کا سچا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔

۲۲ دسمبر ۵۷ء کو مولانا نے انگریزی فوجوں پر آگے اور پیچھے دونوں طرف سے بیک وقت حملہ کرنے کا عظیم الشان پلان بنایا، انھوں نے اپنی سرکردگی میں پیچھے سے حملہ کیا، مگر دوسری طرف سے حملہ کرنے میں کامیابی نہ ہوسکی اور پلان ناکام ہوگیا۔

۱۸۵۸ء شروع ہوا تو اطلاع ملی کہ تازہ کمک کان پور سے آرہی ہے، مولانا اپنے جانباز ساتھیوں کے ساتھ آنے والی کمک کو روکنے کی مہم پر روانہ ہوگئے، انگریز کمانڈر کو اس بات کا علم ہوگیا اور اس نے ایک فوجی دستہ ان سے مقابلہ کے لئے بھیج دیا، لڑائی شروع ہوئی،

اور مولانا سب سے آگے پوری طاقت سے جنگ میں مصروف تھے ان کے ہاتھ پر گولی لگی اور وہ زخمی ہوکر گر پڑے، اور قبل اس کے کہ دشمن ان کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرتا، جانبازوں نے تیز رفتاری کے ساتھ مولانا کو ڈولی میں سوار کر کے لکھنؤ پہنچادیا، یہ ۱۵ر جنوری ۵۸ء کا واقعہ ہے۔ ۱۷ر جنوری ۵۸ء کو مولانا کے ایک جان نثار برہمن ویدی ہنومان نے ان کے ایماء سے لکھنؤ میں انگریزوں پر حملہ کر دیا، اور دن بھر لڑنے کے بعد شام کو زخمی ہوکر گرفتار ہوگیا۔ مولانا پہلے ہی سے زخمی تھے اور مایوسی پیدا ہونے لگی تھی، مگر بیگم حضرت محل نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ اور وہ انقلابیوں کے حوصلے بڑھاتی رہیں، تاہم مولانا کے زخمی ہوجانے کی وجہ سے انقلابی سپاہیوں میں مایوسی بڑھتی جارہی تھی، مولانا کو اس بات پر شدید قلق ہورہا تھا، آخر کار وہ ۱۵ر فروری ۵۸ء کو پھر میدان جنگ میں اتر آئے، اور جہاد حریت کی قیادت کرنے لگے۔

مارچ ۵۸ء شروع ہوتے ہی انگریز فوج لکھنؤ کی آزادی کا چراغ گل کرنے کے لئے پھر مسلح ہوکر میدان میں آگئی۔ وہ انقلابیوں کا قلع قمع کرنا چاہتی تھی، آپس میں شدید جنگ ہوئی، پورے دس دن تک، دن ورات لڑائی ہوئی، شہیدان وطن کے خون سے دھرتی رنگین ہوگئی، اکثر مقامات پر دشمن قابض ہوگیا، اس لڑائی میں بیگم حضرت محل ہاتھی پر سوار ہوکر جنگ میں شریک تھیں، اس موقع پر لکھنو انقلابی لیڈروں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، مولانا احمد اللہ شاہ اگر چہ لکھنؤ سے باہر رہ کر رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے تھے، مگر وہ جلد ہی لکھنو واپس آگئے، اور بہ نفس نفیس مصروف جنگ ہوئے، ساور کر لکھتا ہے کہ ''ہر شخص کو اس سب سے بڑے ہیرو کے احترام میں سر جھکا لینا چاہئے جو اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ہمراہ پھر لکھنؤ میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ مولانا سعادت گنج میں داخل ہوئے اور ۲۱ر مارچ تک یہیں ایک مکان میں رہے، لیکن جب مولانا کے تمام ساتھیوں نے دین ووطن کے لئے اپنی جانوں کی قربانی پیش کردی تو مولانا یہاں سے نکل گئے، دشمن نے چھ میل تک پیچھا کیا، مگر ناکام رہا۔

مولانا احمد اللہ شاہ اپنی مہم میں دل وجان سے مصروف تھے، وہ کبھی ظاہر ہوتے اور کبھی روپوش ہوجاتے، وہ مختلف شہروں میں انقلابی مہم کی دیکھ بھال اور جوانوں کو تیار کرنے میں مشغول

تھے کہ اچانک شاہجہاں پور پر انقلاب یورش ہوئی۔ اپریل ۵۸ء شروع ہو چکا تھا، مولانا احمد اللہ شاہ کی قیادت میں انقلابیوں نے خون کے دریا بہادئے، انگریزی فوج نے جان توڑ کوشش کی، اور ہاتھ سے نکلے ہوئے شہر پر پھر قبضہ کرلیا، ادھر مولانا بریلی میں اپنی تلوار کے جوہر دکھا رہے تھے، نہایت بہادری کے ساتھ انقلابی جوان دشمن کو زیر کر رہے تھے، اور جام شہادت نوش کر رہے تھے، مقابلہ سخت تھا انقلابیوں کی تلواریں ٹوٹ گئیں اور وہ وطن عزیز کی راہ میں قربان ہو گئے۔

ادھر مولانا نے موقع دیکھ کر پھر شاہجہاں پور پر حملہ کرنے کا پلان بنایا۔ اگر چہ ہندوستانی جاسوسوں نے انگریز افسروں کو اس منصوبے کی اطلاع کردی ور دشمن نے کافی مضبوط پوزیشن بنالی تھی، مگر مولانا نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ حملہ کیا ور دشمن کو پسپا کر کے شہر پر قبضہ کرلیا۔ انگریزوں نے اس صورت حال سے بے چین ہو کر بے ترتیب لڑائی پھر شروع کردی اور اسی اثناء میں بریلی سے اس کے پاس زبردست کمک آ گئی اور اس نے شہر کو گھیر لیا۔ مولانا کے بظاہر بچنے کی امید باقی نہیں رہ گئی تھی، لیکن مولانا برابر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔ ۱۵ر مئی تک بیگم حضرت محل اور دوسرے انقلابی لیڈروں کی فوجیں آ گئیں اور فخر دین، فخر وطن مولانا احمد اللہ شاہ کو بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، مولانا یہاں سے نکل کر دوسرے علاقوں کو فتح کرتے رہے، یہاں تک کہ قصبہ محمدی لکھیم پور کھیری میں مولانا کی حکومت قائم ہو گئی، اور ان کا اپنا مستقل سکہ بھی جاری ہو گیا۔

حکومت قائم ہوئے ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ انگریز افسروں نے اچانک فوج لے کر قصبہ پر چڑھائی کردی۔ مولانا وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۵ر جون ۵۸ء کو پوائن راجہ بلدیو سنگھ نے حفاظت کے لئے مولانا کو دعوت دی۔ اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے، تحت اس نے دھوکہ دے کر مولانا کے اوپر گولیوں کی بوچھار کردی، مولانا نے اس غدار وطن کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا، اس نے سر مبارک کو کاٹ کر شاہجہان پور کی کوتوالی پر لٹکا دیا اور جسم کے ٹکڑے کر کے اسے جلا دیا۔ اس طرح مولانا احمد اللہ شاہ نے اپنے ہی وطن کے ایک بزدل شخص کے ہاتھوں مادر وطن پر اپنی جان نچھاور کردی۔

شب قدر اور اس کی افادیت

مسلمانوں کی زندگی میں روزے کی عبادت ایک خاص کردار ادا کرتی ہے اور وہ ہے پاکیزگی کا کردار، پورے سال میں ایک مہینہ کی عبادت صرف روح کی صفائی، دل کی نرمی، اور اخلاقی طاقت کو بڑھانے کا فرض انجام نہیں دیتی، بلکہ اسی کے ساتھ جسمانی صحت اور قول وفعل کی بلندی اور ظاہری اخلاق وعادات کی اصلاح کے میدان میں بھی روزے کی تاثیر اور اس کی طاقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ روزے میں بندے کے اخلاص وفنائیت کا ایک زبردست امتحان ہوتا ہے، اور روزے دار ہر طرح کی ریاکاری سے بہت دور رہتا ہے، وہ بھوک وپیاس کی شدت سے جان بلب ہو جائے، لیکن لوگوں کی نظروں سے بچ کر اپنی بھوک پیاس کا علاج کرنے پر کسی حال میں راضی نہیں ہوتا، یہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں انسان اپنے آپ کو براہ راست اللہ تعالی کی نظروں کے سامنے محسوس کرتا ہے، اس لئے وہ اپنے شب وروز کو پوری احتیاط کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کی ہدایت کے مطابق گزارتا ہے، چنانچہ بالکل صحیح حدیث میں آیا ہے: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رمضان کا روزہ ایمان ویقین کے ساتھ اور اجر وثواب کی امید میں رکھتا ہے اس کے تمام اگلے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔ اور جو شخص رمضان کی راتوں میں عبادت کرتا ہے ایمان واخلاص کے ساتھ اور اجر وثواب کی امید میں تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، اور جو شخص شب قدر میں ایمان اور اخلاص واحتساب کے جذبہ سے عبادت کرتا ہے اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

ظاہری اخلاق کی تربیت میں سب سے زیادہ زبان اور ہاتھ کی حفاظت پر زور دیا

گیا ہے۔ اور ہر طرح کی نامناسب بات زبان سے نکالنے اور بلند آواز سے گفتگو کرنے اور لڑائی جھگڑے سے دور رہنے کی سخت تاکید کی گئی ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو وہ کوئی نامناسب اور بری بات زبان سے نہ نکالے اور نہ بلند آواز سے بولے، یہاں تک کہ اگر کوئی اس کو برا بھلا کہے یا اس سے آمادۂ جنگ ہو تو کہہ دے کہ بھائی میں روزے سے ہوں، ایک دوسری صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جو روزہ دار جھوٹ بات زبان سے نکالنے اور اس پر عمل کرنے سے باز نہ رہ سکے تو اللہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔

ان مختصر اشارات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ روزے کی عبادت انسان کی زندگی میں کتنا اہم رول انجام دیتی ہے، اور ایک بہترین سماج قائم کرنے کے سلسلہ میں اس کے اثرات کتنے گہرے اور دیرپا ہیں اور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، روزہ دراصل ایک ایسا تربیتی کورس ہے جو انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں پر نظر رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ روزے داروں کو ایک متعین مدت تک کے لئے مشقت کی زندگی کا عادی بناتا ہے اور یہ باور کراتا ہے کہ انسان خود اپنی زندگی پر اختیارات کا مالک نہیں ہے بلکہ انسان کو پیدا کرنے والا اللہ اس کا اصل مالک ہے وہ جب چاہے جس چیز کو روک دے اور جب چاہے اپنا فیصلہ اس پر نافذ کر لے، کھانے پینے کی تمام نعمتوں کے ہوتے ہوئے وہ اسے بھوکا پیاسا رکھے، بقدر ضرورت آرام کرنے کے علاوہ رات و دن کا پورا وقت اپنی عبادت میں لگانے کا حکم دے، اور جب روزے دار بندہ اپنے رب کی فرمانبرداری اس کے احکام کے بموجب بجالائے تو اعلان ہوتا ہے "الصوم لی وأنا أجزی به" یعنی روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دونگا۔

روزے کی جزاء کا تعلق آخرت کی زندگی سے خواہ کتنا ہی گہرا کیوں نہ ہو، لیکن اس مہینے کی آخری راتوں میں ایک رات ایسی بھی ہے جس کو شب قدر کہتے ہیں اور جس کی زمانی مسافت ایک ہزار راتوں سے بھی بڑھ کر ہے، اس رات میں روزہ دار کی ہر تمنا پوری ہوتی

ہے، اور ہر دعا قبول کی جاتی ہے، اس رات میں حضرت جبرئیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ اور ہر طرح کی بھلائی اور خیر و برکت لے کر آسمان سے اترتے ہیں اور جو لوگ اس رات میں عبادت میں مشغول ہوتے ہیں ان کے لئے رحمت و مغفرت کی سفارش کرتے ہیں۔

شب قدر اسی مہینہ کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہوتی ہے، یہ اکیسویں رات سے انتیسویں رات کے درمیان یقینی طور پر موجود ہے، بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ رات اس لئے متعین نہیں فرمائی گئی، تاکہ لوگ اس کی تلاش میں ہر طاق رات کو خاص طور سے عبادت میں مشغول رہیں، اور کسی ایک رات پر اپنا پورا زور صرف کر کے مطمئن نہ ہو جائیں، حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے قسم کھا کر بیان کیا کہ شب قدر رمضان کی ستائیسوں رات کو ہوتی ہے، ان کے علاوہ اور بہت سے صحابہ اور تابعین کا یہی خیال ہے کہ شب قدر رمضان کی ۲۷ ویں رشب ہے، اس بنا پر بہت سے علمائے محققین کی رائے یہی ہے کہ شب قدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے، اور شب قدر کا ستائیسویں شب میں ہونا زیادہ قرین قیاس ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ کا خیال ہے کہ شب قدر میں روحانیت کا ایک خاص سماں ہوتا ہے، فرشتے بکثرت زمین پر اترتے ہیں اور تمام شیاطین دور کر دئے جاتے ہیں، دعائیں اور عبادتیں قبول ہوتی ہیں۔

مشائخ اسلام نے لکھا ہے کہ شب قدر میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتی ہے۔ یہاں تک کہ درخت بھی سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص ثواب کی نیت کے ساتھ، اس رات میں پورے خلوص کے ساتھ عبادت الٰہی میں مشغول ہو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔ اس رات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ آتے ہیں اور ہر اس شخص کے لئے جو اس رات میں اللہ کی عبادت کرتا ہے، خواہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر، دعائے رحمت کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رمضان کا مہینہ آیا تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! تمہارے لئے رمضان کا مہینہ آ گیا، اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں کی رات سے زیادہ افضل ہے، جو شخص اس رات کی رحمتوں اور برکتوں سے محروم رہ گیا، وہ گویا ہر طرح کی بھلائی سے محروم ہو گیا۔ اور اس رات کی برکتوں سے محروم رہنے والا ہی اصل محروم کہے جانے کے قابل ہے۔

اس رات کی اہمیت اتنی زیادہ نہ ہوتی اور اس کی افادیت کا دائرہ اس قدر سیع نہ ہوتا تو قرآن کریم میں پوری ایک سورہ اس رات کی فضیلت بیان کرنے کے لئے نازل نہ ہوتی، اس سورہ کا مضمون یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا، اور تم کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا چیز ہے؟۔ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ افضل ہے، اس رات میں فرشتے اور جبرئیلؑ اپنے رب کریم کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اور ہر قسم کی بھلائی اور خیر و برکت لے کر آتے ہیں، یہ رات صبح ہونے تک سراپا امن و سلامتی ہے۔

قرآن مجید کے اس واضح بیان اور شب قدر کی اہمیت کا یقین دلانے کے بعد ہر روزے دار کی یہ دلی تمنا ہونا چاہئے کہ وہ بے صبری کے ساتھ اس کا انتظار کرے اور جب خوش قسمتی سے اسے یہ مبارک رات میسر ہو تو اس کو زیادہ سے زیادہ مفید اور نتیجہ خیز بنانے کی فکر کرے اور سچے دل اور خلوص نیت کے ساتھ اس کے ایک ایک لمحہ کو دعا و عبادت میں گزارنے کی کوشش کرے، اپنے گناہوں کی معافی چاہے، اپنے لئے اور دوسروں کے لئے بھلائی کی دعا کرے، تمام انسانوں کی ہدایت کی تمنا کرے، انسانی معاشرے میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں اور جو بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں ان کے خاتمے کی دعا کرے۔ پوری دنیا میں امن و امان، حق و انصاف اور سچائی و پاکیزگی کے عام ہونے کی درخواست کرے اور بنی نوع انسان کے لئے خوشحالی اور امن و عافیت کی تمنا کرے، اپنے لئے بھی اللہ کی نعمتوں کا مطالبہ کرے اور دوسروں کو بھی اپنی دعا میں شریک رکھے۔

اس رات کی خصوصیات کے بارے میں جو چیز خاص طور سے قابل ذکر ہے وہ امن و سلامتی کا ایک عام وصف ہے جو اس پوری رات پر محیط ہے، اس لئے کہ انسان کی زندگی میں

امن وسلامتی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔ایک انسان سب کچھ ہوسکتا ہے دنیا کی تمام نعمتیں اس کے پاس ہوسکتی ہیں، مال ودولت ،عزت ونیک نامی، جاہ ومنصب، جوانی اور تندرستی، اولاد کی کثرت، معتقدین کا حلقہ، طاقت ووسائل کی فراوانی یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اگر امن وسلامتی کی نعمت مفقود ہے تو زندگی بے کیف ہے اور اطمینان قلب نایاب ہے۔

لیکن شب قدر کا امتیازی وصف امن وسلامتی ہے، یہ ایک ایسی عظیم نعمت ہے جو تمام نعمتوں کی تکمیل کرتی ہے، اور زندگی کے ہر شعبہ میں سرگرمی اور احساس ذمہ داری کو بیدار کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔اسی سے انسانی زندگی ہر مرحلہ میں اور ہر سطح پر امن وامان کے عنصر کو بنیادی اہمیت دیتی ہے، اس لئے شب قدر کے اس اہم ترین پہلو پر نظر رکھئے تو روزہ دار کے لئے زبان وہاتھ کی حفاظت کا راز اچھی طرح منکشف ہوجاتا ہے۔اور یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ زبان وہاتھ کی حفاظت اور اس پر قابو رکھے بغیر امن وسلامتی کا تصور ناممکن ہے۔گویا روزہ دار کی اس تربیت کا اثر شب قدر کی اس امتیازی شان میں ظاہر ہوتا ہے جو سراپا امن کا پیغام ہے اور جس کی تلاش وجستجو کرنے والوں کے لئے امن وسلامتی کی خصوصی بشارت ہے۔

اس رات کی خوبیوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے پوری کوشش کریں اور اپنے ظاہر وباطن کو پاک رکھتے ہوئے عبادت اور دعاء میں مشغول ہوں، سب سے زیادہ جس بات کی دعا کرنی چاہئے وہ ہے اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست، جب بندہ اپنے قصور کا اعتراف کرتا ہے اور اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہاتا ہے، اور بار بار معافی کی درخواست کرتا ہے اور آئندہ ہر طرح کے گناہ سے بچنے کا یقین دلاتا ہے تو رحمت خداوندی جوش میں آتی ہے اور بندے کے سارے گناہ دھل جاتے ہیں، اللہ اس سے راضی ہوجاتا ہے اور اس کی ہر جائز مراد پوری ہوتی ہے۔ایک حدیث میں ہے: ''حضرت عائشہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ کہ اگر شب قدر مجھے میسر آجائے تو مجھے کیا دعا کرنی چاہئے، حضور

پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دعا کرو: ' اللھم انك عفو تحب العفو فاعف عنی " یعنی اے میرے اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنا آپ کو بہت پسندیدہ ہے، لہٰذا میرے گناہوں کو معاف کر دیجئے۔

شب قدر کی سب سے بڑی افادیت یہی ہے کہ اس کی پوری قدر کی جائے اور اس کے ایک ایک لمحہ سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے اور صدق دل سے اجتماعی اور انفرادی صلاح وفلاح کی اور دنیا میں امن وامان کی حقیقی فضا قائم کرنے کی مخلصانہ دعا کی جائے۔

مشعل نور- جہد وعمل

ذرا غور سے انسانی فطرت کا مطالعہ کیجئے۔ جہاں آپ پر زندگی کی اور بہت سی حقیقتیں واشگاف ہوں گی، وہیں زندگی کا سفر جاری رکھنے اور اسے کامیاب بنانے کے لئے جد وجہد اور کوشش وعمل کی بنیادی حیثیت اور اس کی اہمیت بھی آپ پر واضح ہوگی، آپ دیکھیں گے کہ انسان کامیابی کی راہ پر اسی وقت گامزن ہوتا ہے جب وہ اپنی ذہانت اور اپنے علم وتجربہ کو جہد وعمل کے ساتھ توازن سے جوڑ دیتا ہے، توازن اس لئے ضروری ہے کہ علم وذہانت کا حصہ اگر بڑھ جائے اور کوشش وعمل کی مقدار کم ہو جائے تو بجائے کامیابی کے اکثر ناکامی سے سابقہ پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر کوشش ومحنت کے ساتھ علم وتجربہ کی مقدار کم ہو تو کامیابی کی منزل تک پہونچنا دشوار ہوتا ہے۔

زندگی کے کسی شعبہ پر نظر ڈالئے آپ اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکیں گے کہ جد وجہد خواہ کسی نوعیت کی ہو، اگر وہ علم وادراک کے عنصر سے خالی ہے تو نقصان کا باعث ہے۔ اگر کوئی شخص ہے علم وادب کے میدان میں محنت کرتا ہے تو پہلے سے اس کے نشیب وفراز، اور اس کی روح وحقیقت سے پوری طرح واقف ہوتا ہے، اس کے بغیر اس کی محنت رائگاں جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی معمار، کوئی فنکار، کوئی کاشتکار، حتی کہ کوئی مزدور محنت کرتا ہے لیکن اپنے کام کا صحیح علم اس کو نہیں ہے تو اس کی محنت کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔

تاریخ میں ہر طرح کی مثالیں موجود ہیں، ان لوگوں کی بھی جو علم وادراک اور جد وجہد کا صحیح امتزاج رکھتے تھے، اسی لئے انھوں نے تاریخ کے صفحات پر شاندار نقوش چھوڑے ہیں، اور ایسے لوگوں کی جو دونوں پہلوؤں کے جامع نہیں تھے اور ان کو ناکامیوں کا

سامنا کرنا پڑا، انھوں نے حکمت سے دور رہ کر طاقت کا مظاہرہ کیا تو طاقت سے بھی محروم ہوگئے، اور اپنے ساتھ ایک پورے عالم کو ناکامیوں اور محرومیوں سے دوچار کر کے چلے گئے۔

جاننے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ جہد وعمل اسی وقت برگ وبار لاتا ہے، جب وہ مقصد کے ساتھ وابستہ ہو، اور خلوص نیت اس کی بنیاد ہو، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پیغمبر اسلام ﷺ نے اعلان کیا تھا کہ انسان کے جہد وعمل کا دارومدار اس کی نیت پر ہے، جیسی نیت ہوگی ویسا ہی نتیجہ نکلے گا، اس عظیم الشان حقیقت کا مظاہرہ ہر وقت اس دنیا کی زندگی میں ہوتا رہتا ہے، بدکردار کب اطمینان کی زندگی گزارتا ہے اور کامیابی کی منزل تک پہونچ پاتا ہے، سماج کے مختلف مجرموں کو دیکھ لیجئے، سیاسی مجرموں کو، معاشی اور اخلاقی مجرموں کو، کیسا عبرتناک انجام ہوتا ہے ان کا اور وہ اپنے پیچھے غلاظت کا کیسا ملبہ چھوڑ جاتے ہیں، جو عرصہ تک ان کے گردوپیش کی دنیا میں تعفن پھیلاتا رہتا ہے۔ لوگ نفرت وحقارت سے ان کا نام لیتے ہیں، اور انسانیت کی پیشانی پر ان کو کلنگ کا ٹیکہ تصور کرتے ہیں۔

آسمانی مذاہب ہو یا انسانی فلسفہ، جہد وعمل کی تاثیر اور اس کی اہمیت کا کوئی بھی انکار نہ کرسکا، بلکہ سچ پوچھئے تو زندگی کی خشت اول ان کے نزدیک اس بنیاد پر قائم ہے، اسی کو وہ کامیابی کی شرط اول قرار دیتے ہیں، اسلام کی تعلیمات میں جہد وعمل کا بہت بڑا درجہ ہے، اس کے نزدیک انسان کی کوشش ہی دراصل سب کچھ ہے، اس کی جدوجہد کے مطابق ہی اس کو جزا بھی ملے گی۔ اور عمل جیسا ہوگا اس کے تناسب سے اس کا بدلہ بھی دیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص ذرہ کے برابر نیکی کا عمل کرے گا تو وہ اس کے نیک انجام کو دیکھ کر رہے گا۔ اسی طرح جو شخص ذرہ کے برابر کوئی برا عمل کرے گا تو اسے بھی اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

دنیا کا کوئی مذہب، کوئی تصور، اور کوئی نقطۂ نظر، بے کاری اور بے عملی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا، بلکہ بعض نظریہ تو صرف محنت ہی کی بنیاد پر قائم ہیں۔ چونکہ انسانی فطرت محنت ومشقت اور جہد وعمل سے پوری طرح ہم آہنگ ہے، اس لئے کارخانہ عالم کا نظام صحیح اور بامقصد کوشش کے ساتھ وابستہ ہے، سماج کے لئے کئی حصے میں جہد وجہد اگر غلط رخ اختیار کرلیتی ہے تو

مختلف مسائل سے دوچار ہوجاتا ہے اور نت نئی پریشانیاں اس کو گھیر لیتی ہیں، آج کے سماج میں جہاں کہیں بھی ایسی کوئی صورت حال موجود ہے، اس کا سبب یہی ہے کہ اس میں جہد وعمل کا صحیح رخ متعین نہیں ہے اور اس کی کوششیں غیر اہم نقطہ پر صرف ہو رہی ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ سلم کی خدمت میں ایک غریب شخص آئے، اور انھوں نے سوال کرنا چاہا تو حضور ﷺ نے ان کو اس سے روکا اور ان کے لئے کام کا انتظام فرمادیا۔ وہ اس کام میں مشغول ہوئے اور پندرہ دن کی مختصر سی مدت میں وہ اسی کام کی بدولت خود کفیل ہوگئے، اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لئے یہ بہتر ہے، یا یہ کہ سوال کرتے اور اس کی وجہ سے قیامت کے دن تمہارے چہرے پر سوال کا اثر ظاہر ہوتا۔

یہ اور اسی جیسی بہت سی تعلیمات ہیں، جن سے جدوجہد اور کوشش وعمل کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، قرآن کریم میں جہد وعمل کی ترغیب جا بجا موجود ہے، ایک آیت میں حضور ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ عمل کرو، اس لئے کہ اللہ اور اس کا رسول اور اہل ایمان سب ہی تمہارے عمل کو دیکھیں گے''۔ دنیا کا ہر مذہب اپنے پیروؤں کو عمل کی دعوت دیتا ہے اور کوشش ومحنت کی ترغیب دلاتا ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر زندگی کی گاڑی کامیابی کے ساتھ چل نہیں سکتی، اور نہ انسان اپنے معاشرہ میں خوش حال اور مطمئن ہو کر رہ سکتا ہے۔

جہد وعمل ہی دراصل انسان کی کامیابی کی ضمانت ہے، یہ چیز جس قدر بہتر پیمانے پر اور اچھے معیار کے ساتھ انجام پذیر ہوگی اسی قدر اس کے خوش کن نتائج برآمد ہوں گے، اور افراد کی خوش حالی سے معاشرہ خوش حال ہوگا، اور دنیا میں جہد وعمل کی قدریں رواج پائیں گی اور اس کی وجہ سے برائیوں کا خاتمہ ہوگا، احساس ذمہ داری بیدار ہوگا۔ ہمدردی، محبت، ایثار اور آپس میں تعاون کی نت نئی راہیں نکلیں گی، یہ کون نہیں جانتا کہ سستی، کاہلی اور بیکاری گھن کی طرح انسانوں کو کھا جاتی ہے اور صحت مند سوسائٹی کا خاتمہ ہوجاتا ہے، اس کی وجہ سے جرائم کی کثرت ہوجاتی ہے اور افراد کا ضمیر مردہ ہوجاتا ہے، پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

معاشرہ تیزی کے ساتھ زوال کی طرف بڑھنے لگتا ہے، اور دیکھتے دیکھتے ملکوں اور قوموں کے چراغ بجھ جاتے ہیں۔

قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ میں جہدوعمل کا نہایت عظیم اور بنیادی کردار ہے، جو قومیں بام عروج پر پہنچیں اور زندگی کے ہر میدان میں انھوں نے رہنمائی کی، وہ عمل ہی کی راہ سے اس مرتبہ بلند کو پاس کیں، اور کوشش ومحنت کے خلوص کے ساتھ بلند مقاصد کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی انھوں نے گریز نہیں کیا۔ انسانی زندگی کی کامیابی کا انحصار اسی پر ہے کہ وہ عمل پیہم کی لذت سے آشنا ہو، اقبال نے عمل پیہم کو جہاد زندگانی کی شمشیر سے تعبیر کیا ہے۔ اس موقع پر ان کا مشہور شعر پڑھنا شاید مناسب ہوگا۔

یقین محکم، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہاد زندگی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

ایک دوسرے شعر میں کہتے ہیں:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

خیر و برکت کا حقیقی تصور

رمضان المبارک کے تناظر میں!

رمضان کا مبارک مہینہ آئے ہوئے ابھی کتنے دن گزرے ہی تھے کہ اب اس کے وداع کی تیاریاں ہونے لگیں، اور انگلیوں پر دن گنے جانے لگے کہ برکتوں کے اب صرف چند دن باقی رہ گئے ہیں، خیر و برکت کی یہ فضا جو زندگی سے آسمان پر ابر رحمت بن کر چھائی ہوئی تھی، افسوس کہ اب وہ جلد ہی داغ فراق دینے والی ہے، اور پھر زندگی اپنی اس بے کیفی کی راہ پر گامزن ہو جائے گی، جہاں مشقتیں ہوں گی، کھانے پینے اور روزانہ کے معمولات کو بغیر کسی پابندی کے انجام دینے کی آزادی ہوگی۔ نہ زبان پر بندش ہوگی کہ برے الفاظ، سخت انداز کلام اور دل آزاری کی کوئی بات نہ نکلے۔ اور نہ ہاتھ پیر پر قید و بند کا کوئی احساس ہوگا کہ اس کا استعمال کسی غلط جگہ نہ ہو جائے اور اخلاق و شرافت کے حدود سے تجاوز کر کے کوئی ایسا گناہ اس سے نہ صادر ہو جائے کہ قانون کی نظر میں وہ مجرم قرار پائے۔

برکتوں والا یہ مہینہ اور اس کے معمولات دراصل ایک تربیتی نصاب ہے۔ اسی نصاب کو پورے ایک مہینے تک عملی شکل میں زندگی پر نافذ کرنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسلامی تعلیمات کو سمجھیں اور دنیا میں اس کے اعلیٰ کردار کو عام کریں، تاکہ برکت وسعادت کا ظہور ہو، بھائی چارگی کی فضا ہر طرف قائم ہو، محبت، امن و آشتی اور باہمی ربط وتعاون اور انسانیت کا عروج ہو، اور اسلامی سیرت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں، اسی طرح ظاہری خیر و برکت کے ساتھ سیرت و کردار میں حقیقی خیر و برکت کا حصول ایک مسلمہ

حقیقت ہے۔ جولوگ صحیح جذبے سے روزے رکھتے ہیں وہ اس حقیقت کو دیکھ سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ رمضان شروع ہوتے ہی آسمان سے اعلان ہوتا ہے، کہ اے خیر کے طالب! متوجہ ہو اور آگے بڑھ، اور اس مبارک مہینے کی خوبیوں اس کی خیر و برکت سے فائدہ اٹھا، اور اے برائی کے چاہنے والے! پیچھے ہٹ، اس لئے کہ اس خیر و برکت کے مہینے میں برائیوں اور نافرمانی کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی اعلان کے ساتھ یہ ندا بھی آتی ہے کہ کون گناہوں کی بخشائش چاہتا ہے کہ اس کے گناہ معاف کئے جائیں، کون توبہ کرتا ہے کہ اس کی توبہ قبول ہو، کون اپنی مرادیں مانگتا ہے کہ اس کی مرادیں پوری کی جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی ۲۹ رتاریخ کو رمضان کی آمد پر ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس میں سب سے پہلے یہ فرمایا کہ اے لوگو! تم پر ایک برکتوں والا عظیم مہینہ سایہ فگن ہوا ہے، اور آگے چل کر فرمایا کہ جو شخص اس میں اللہ کے لئے کوئی اچھا کام کرتا ہے، اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے کوئی فرض عبادت رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں انجام دی ہو، اور جس نے اس ماہ مبارک میں کوئی فرض عبادت انجام دی، اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے غیر رمضان میں ستر فرض عبادت ادا کی ہو، یہ غم خواری اور نیکی کا مہینہ ہے، اس مہینے میں مومن کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے کسی کو روزہ افطار کرایا تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ اس کی گردن آتش جہنم سے آزاد کر دی جاتی ہے، اور اجر میں کسی قسم کی کوئی کمی کئے بغیر اتنا ہی اجر مزید اس کو دیا جاتا ہے۔

غور کیجئے تو خیر و برکت کا یہ تصور اپنی حقیقی شکل میں روزے دار کی زندگی میں پوری طاقت کے ساتھ قائم ہوتا ہے، اوقات میں برکت، کاموں میں خیر و برکت اور رزق میں خیر و برکت کا ظہور، عبادات کا شوق، اور لوگوں کے ساتھ ہمدردی، غم خواری، ضرورت مندوں کے ساتھ حسن سلوک اور سخاوت، یہ ساری باتیں خیر و برکت کے مفہوم میں آتی ہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس مبارک مہینے کا ایک ایک لمحہ اور چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی خیر و برکت کے دائرہ سے باہر نہیں رہتا۔

خیر و برکت کا یہی تصور ایک روزے دار کو اللہ کی رضا کے لیے اپنا مال خرچ کرنے پر ابھارتا ہے، جذبۂ غم خواری، اور ایثار، ہر روزہ دار کی زندگی کا ایک نمایاں وصف بن جاتا ہے، وہ اخلاق حسنہ کا پیکر اور انسانیت کی ایک حسین تصور قرار پاتا ہے، مہمان نوازی کے ساتھ غریب نوازی اس کا معمول بن جاتا ہے، اور وہ اللہ کی راہ میں دینے، اور خرچ کرنے کے لئے بے قرار رہتا ہے، اس کی سخاوت نقطۂ عروج پر پہنچ جاتی ہے، اور کوئی ضرورتمند اس کے پاس سے محروم نہیں لوٹتا، صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں تیز ہواؤں کے جھونکوں سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ گھر میں معمول کے مطابق اور بقدر ضرورت کھانے پینے کی اشیاء تیار کی جاتی ہے، لیکن کھانے کے بعد بڑی مقدار میں وہ چیزیں بچ جاتی ہیں، اور غرباء میں تقسیم کر دی جاتی ہیں، عام طور سے چند مہمان اگر بروقت آجائیں تو دسترخوان پر چنا ہوا کھانا بالکل کافی ہوتا ہے۔

یہ تو ظاہری خیر و برکت ہے، جسے ہر شخص دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ پورے مہینے کے اخراجات کے بعد جب حساب لگایا جاتا ہے تو دوسرے مہینوں سے کم یا ان کے برابر ہی مصارف آتے ہیں، حالانکہ اس مہینے میں انتہائی کشادگی اور سخاوت کے ساتھ خرچ کیا جاتا ہے، اس کے ساتھ عید کی تیاری کے لئے بھی مصارف کا انتظام نہایت آسانی کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اور اگر اعتدال سے کام لیا جائے تو قرض کی زیر باری نہیں ہوتی۔

اسی خیر و برکت کا مشاہدہ ہم اپنی ان مادی آنکھوں سے پورے مہینے کرتے رہتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ جو لوگ دوسرے دنوں میں پریشان حال رہتے تھے اور تنگی کا شکار ہوا کرتے تھے وہ بھی اس مبارک مہینے میں بخوبی اپنا وقت گزار رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس بابرکت مہینے کی خیر و برکت کو دیکھ کر لوگ تمنا کرتے ہیں کہ برکت والے دن قائم رہیں، اور خیر و برکت کا نزول ہوتا رہے، ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ رمضان المبارک کیا چیز ہے تو مری امت یہ تمنا کرے کہ پورے سال رمضان قائم رہے، اگر چہ

پورے سال روزہ رکھنا دشوار بھی ہے اور اس کی عادی ہوجانے کے بعد خیر و برکت کا تصور بھی مٹ جانے کا اندیشہ ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر لوگوں کو روزے کا ثواب معلوم ہوجائے کہ کیا ہے تو اس کے ہمیشہ رہنے کی تمنا کریں۔

ایک مہینے کا فرض روزہ زندگی کی بے اعتدالیوں کو دور کرنے اور اس کو صحیح راستے پر لگانے کے لئے ضروری ہے، یہ ایک فطری تقاضا ہے کہ وہ اس سے صحت پر بھی بہت اچھا اور مثبت اثر پڑتا ہے، اور جسمانی فائدے کے ساتھ ذہنی تربیت کا فائدہ بھی پہنچتا ہے، احکام شریعت پر عمل کرنے، اللہ کی رضا کو ہر کام میں پیش نظر رکھنے اور ایک مثالی معاشرہ قائم کرنے کی راہ میں اس مبارک مہینے کا کردار بہت اہم، پائدار اور شاندار ہے، اگر اس مقصد کو سامنے رکھ کر اس برکت والے مہینے کو سنوارا جائے، اور اس کی روح کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہونچے تو اس کا ثواب بہت عظیم ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس روزہ دار کو کیا عطا کردیں اور کس طرح اس کو اپنی رحمتوں اور انعامات سے نواز دیں، صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کا نیک عمل اس کی نیکی کو دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھاتا ہے، بجز روزے کے کہ وہ میرے لئے ہے، اور میں خود اپنے ہاتھوں سے اس کا انعام اس کو عطا کروں گا۔

اس لئے جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو اسے فضول باتیں نہیں بکنا چاہئے، اور شور و ہنگامہ نہیں کرنا چاہئے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص روزے دار کو گالی دے یا اس سے لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو تو اسے نہایت معذرت خواہانہ انداز میں کہ دینا چاہئے کہ میں روزے سے ہوں، اس حدیث قدسی کے تناظر میں اگر ہم غور کریں تو محسوس ہوگا کہ روزے کی خیر و برکت کی کوئی حد معلوم نہیں ہے، دیگر اعمال و عبادات میں تو ثواب کی حد مقرر ہے، لیکن روزوں کے ثواب اور ان کے جزاء کا حال کسی کو نہیں معلوم، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہر روزہ دار کو بے پناہ خیر و برکت عطا فرماتے ہیں، اور اسی لئے اس کو نسبت خاص عطا فرما کر یہ اعلان کرتے ہیں کہ روزے کی عبادت میرے اور صرف میرے لئے ہے، اس میں کسی کی ریاکاری

کی گنجائش نہیں ہے۔اس لئے اس کا بدلہ میں خود عطا کردوں گا۔

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں روزے دار کی زندگی حقیقی خیر و برکت کے مفہوم سے آشنا ہوتی ہے،اس کے مظاہر وہ اپنی مادی آنکھوں سے دیکھنے کے ساتھ زندگی کے ہر گوشے میں اس کا نمایاں اثر محسوس کرتا ہے اور خیر و برکت کا ایک سراپا اس کے سامنے اپنی پوری جلوہ سامانیوں،اور رعنائیوں کے ساتھ قائم ہو کر زندگی کو کامیابیوں اور مسرتوں سے ہم کنار کرتا ہے۔

اس موقع پر شب قدر کی فضیلت کو قرآن وحدیث کی روشنی میں دیکھئے تو اس کو ہزار راتوں سے زیادہ افضل قرار دینے میں بھی خیر و برکت کا مفہوم نمایاں ہوتا ہے،اس رات میں بندہ اپنے رب سے جو کچھ مانگتا ہے وہ اسی تناسب سے اس کو ملتا ہے۔

اور زندگی بھر وہ خود انعام کی سعادت سے محظوظ ہونے کے ساتھ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے،اور اس پورے ماحول پر شب قدر کی برکتوں کا اثر پڑتا ہے،جس میں اس رات کو عبادت کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔

عید قرباں اور سنت ابراہیمی

ہزاروں سال پہلے جب دنیا تہذیب وتمدن کے لفظ سے بھی نا آشنا تھی اور زندگی گزارنے کے آداب اور طور طریقے انسانوں کی دسترس سے باہر تھے، اس وقت بھی اس دنیا میں زندگی کو کامیابی اور خوشحالی سے ہم کنار کرنے کا جذبہ موجود تھا، اس جذبہ کو بروئے کار لانے کے لئے انسانوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق کوششیں کیں، کسی نے دوسروں کو خوش کر کے اپنے اس جذبہ کو تسکین دی، کسی نے دوسروں پر اعتماد کر کے کامیابی حاصل کی اور کسی نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر اپنے آپ کو کامیابی اور خوشحالی کا حق دار قرار دیا۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی، جنہوں نے کامیابی حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ پر اعتماد کیا۔ اور اپنی ذاتی کوشش وطاقت کی بنیاد پر وہ کامیاب انسان بنے، انہوں نے اس راہ میں کبھی اپنا قیمتی وقت لگایا، کبھی اپنے مال ومتاع کو صرف کیا۔ کبھی اپنی خواہشات کو قربان کیا اور کبھی اپنی محبوب اولاد اور اپنی عزیز جان کو اس راہ میں پیش کر دیا۔ اور کامیابی نے ان کے قدم چومے، اسی طرح کا ایک واقعہ آج سے تقریباً تین ہزار آٹھ سو سال پہلے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ پیش آیا، انھوں نے اپنے پروردگار سے تعلق قائم کیا، تو اپنے ماحول سے، اپنے گھر بار سے اور اپنے ماں باپ سے منہ موڑ کر وہ اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگ گئے، اور سب سے الگ ہو کر اپنی راہ الگ بنالی، وہ ہر قیمت پر اپنی زندگی کو کامیابی سے ہم کنار کرنا چاہتے تھے، وہ زمانہ کی رَو سے ہٹ کر ایسا راستہ اختیار کر رہے تھے جو قربانیوں کا راستہ تھا۔ جہاں کسی بڑے مقصد کے حصول کے لئے خاندانی ماحول اور مال ودولت سے لے کر اولاد تک قربان کر دینے میں کوئی تردد نہیں ہوتا، انھوں نے ماحول سے بغاوت کا

اعلان کیا اور حق کی راہ میں ہر طرح کی آزمائش کے لئے تیار ہوئے، وہ اپنے ارادہ میں اتنے پختہ تھے کہ ان کی قوم نے ان کو آگ میں ڈالا، تاکہ وہ اس عقیدہ کو چھوڑ دیں، لیکن انھوں نے آگ میں جل کر اپنے آپ کو مقصد پر قربان کیا اور اپنی قوم کی راہ پر واپس جانا منظور نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگ کا الاؤ ان کے لئے گل وگلزار بن گیا اور ان کو سزا دینی والی قوم اس منظر کو دیکھ کر حیران رہ گئی، شاعر نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

پھر ابراہیمؑ کو اللہ نے خلیل اللہ کا لقب عطا فرمایا اور اس لقب کو مزید پختہ کرنے اور ان کے عقیدۂ محبت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کی خاطر خواب میں ان کو حکم دیا کہ تم اپنے لخت جگر اسمٰعیل کو خدا کی راہ میں قربان کردو، خلیل اللہ نے اپنے فرزند کو خوشخبری دی کہ تم کو قربان ہونا ہے، اور ان کو اس محبت کی قربان گاہ تک پہنچنے کے لئے ایک سنسان مقام کی طرف روانہ ہوئے، تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے نام پر بھینٹ چڑھادیں۔

ابراہیمؑ محبت کے امتحان میں کامیاب ہوئے، آزمائش نے ان کو کامیابی کی مبارکباد دی اور قربانی کی چھری بچے کے گلے پر چلنے کے بجائے دنبے کی گردن پر چلی، بلکہ درحقیقت وہ خواہشات نفس کی گردن پر، باطل اور ظالم ماحول کی گردن پر اور غیر اللہ کی محبت پر چلی، شیطان رسوا ہوا اور ایمان کی جیت ہوئی، ابراہیم کی یہ ادا اُن کے رب کو اتنی پسند آئی کہ سنت ابراہیمی کے نام سے اس کو زندہ جاوید بنادیا۔ ابراہم کے ماننے والوں پر قیامت تک کے لئے اس کو زندہ رکھنے کا حکم صادر فرمادیا۔ اور سال میں ایک مرتبہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو اس سنت کی یادگار منانے کے لئے جانور کی قربانی واجب قرار دیدی گئی۔ یہی وہ قربانی ہے جو عیدالاضحیٰ کے دنوں میں پوری دنیا میں کی جاتی ہے، اسی بنا پر اس عید کو ہم عید قربان کے نام سے یاد کرتے ہیں، قرآن کریم نے اس واقعہ کی تصویر کچھ اس طرح کھینچی ہے۔

''جب وہ دونوں ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام اللہ کے حکم کے سامنے سرنگوں

ہوگئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا، (تا کہ گردن پر چھری چلا دیں) اور اسی وقت ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیم! تم نے اپنا خواب پورا کر دکھایا، اور ہم اسی طرح اپنے وفادار اور سچے بندوں کو بدلہ دیتے ہیں، تم اچھی طرح جان لو کہ یہ کھلی ہوئی آزمائش ہے، پھر ہم نے ان کو ایک بڑی قربانی فراہم کر دی (دنبے کے ذریعہ)، اور ان کا ذکر خیر بعد میں آنے والوں کے لئے باقی رکھا"۔

ابراہیمؑ کا زمانہ دراصل مادیت کے عروج کا دور تھا، لوگ اس وقت سوائے مادیت کے کسی اور چیز سے واقف ہی نہیں تھے، اس پر تقدس اور عقیدت کا ایسا رنگ چڑھ چکا تھا کہ اس نے خدا کا درجہ حاصل کر لیا تھا، اور خدا کا تصور دلوں سے نکل چکا تھا، جو کچھ دنیا میں ہو رہا تھا وہ سب انسانی طاقت اور مادیت کا کرشمہ سمجھا جاتا تھا، ہر طرف نفس پرستی کا چرچا تھا، اور انسان اپنے مقام سے بہت نیچے گر چکا تھا، وہ اخلاق کی دولت سے محروم اور ایمان کی نعمت سے ناآشنا تھا، ایسے سنگین ماحول میں ابراہیمؑ نے انقلاب کا نعرہ بلند کیا، نفس پرستی کے خلاف آواز اٹھائی اور ایک اللہ کے سامنے جھکنے، اس کی عبادت کرنے اور اسی کے لئے جینے اور مرنے کی دعوت دی، اور اعلان کیا کہ "میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اسی اللہ کے لئے ہے، جو سارے جہان کا رب ہے، اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی قربانیوں کا ایک سلسلہ ہے، لیکن جو قربانی سنت ابراہیمی کے طور پر عید الاضحیٰ کے دنوں میں انجام پاتی ہے وہ دراصل رمز ہے اس بات کا کہ انسان اپنے خدا کے سامنے ایک تابعدار بندہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اس کی ہر چیز حتیٰ کہ جان، اس کا مال اور اس کی اولاد بھی خدا کی ملکیت ہے، وہ جب چاہے اسے واپس لے سکتا ہے، اور جب بندہ کے دل میں احساس جاگزیں ہو جائے کہ اصل اطاعت اسی وقت متحقق ہو سکتی ہے جب انسان اپنی زندگی کے سارے معاملات اور ذرہ ذرہ کو خدا کی اطاعت و بندگی کے حوالہ کر دے، اور ہر حال میں شکر گزار بن کر رہے، اس وقت وہ ایک مثالی انسان قرار پاتا ہے، اور اپنے ماحول کے لئے نمونہ بنتا ہے۔

قربانی کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اگر عیدالاضحیٰ کے موقع پر کوئی جانور ذبح کر کے یہ سمجھ بیٹھے کہ کام پورا ہو گیا، بلکہ دراصل قربانی نام ہے اللہ کے حکم کی بجا آوری میں اس کے نبی کی سنت سمجھ کر صدق دل اور رضائے الٰہی کی نیت سے خون کا تحفہ پیش کرنے کا، خود قرآن میں قربانی کا مفہوم یہی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کو قربانی کے گوشت اور خون کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے دلوں میں خدا کا خوف اور لحاظ پیدا ہو۔

بہت سے لوگ قربانی کے بارے میں غلطی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جانور ذبح کرنا ہی اصل مقصود ہے اور اس کے بغیر عید کی خوشحالی مکمل نہیں ہو سکتی، کچھ لوگ عید کی خوشی سے زیادہ قربانی کے گوشت سے خوش ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک عید کے لوازمات میں بندگی اور اخلاص کا اظہار داخل ہی نہیں ہے، وہ صرف نئے کپڑے پہننے، عمدہ کھانے اور سیر و تفریح میں وقت گزارنے ہی کو عید کی اصل خوشی سمجھتے ہیں، حالانکہ قربانی کا صحیح مفہوم اگر ان کے ذہنوں میں ہو تو وہ زیادہ سے زیادہ اظہار بندگی اور خاکساری کو خدمت خلق اور دوسروں کو خوش کرنے کو، غریبوں کی مدد اور حاجتمندوں کی ضرورت پوری کرنے کو قربانی کے مرادف تصور کریں۔

عیدالاضحیٰ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان کی زندگی مسلسل کاوشوں، مسلسل جدوجہد اور پیہم نشاط و حرکت کا نام ہے، مقصد جتنا ہی عظیم الشان ہوگا، قربانی بھی اسی قدر بڑی ہوگی اور جدوجہد کا سائز بھی اسی کے مطابق ہوگا، جو لوگ مقصدیت کی روح سے معمور ہوتے ہیں وہ قربانی کے جذبہ سے بھی بھرپور ہوتے ہیں، جن قوموں نے دنیا کی تاریخ میں قیمتی اضافہ کیا ان کی تاریخ قربانی کے واقعات سے معمور ہے۔ اور ان کے کارنامے تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔

کسی بھی فاتح قوم کو لے لیجئے، اور اس کے افراد کی زندگیوں کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ کتنے اولوالعزم تھے، کتنے مخلص تھے، اور شجاعت و قربانی کا جذبہ ان کے اندر کس طرح رچا بسا ہوا تھا، اسی لئے ان کے حوصلے ہمیشہ بلند رہے، اور ان کا عزم ہمیشہ جوان رہا، اور ان کے کارنامے نہایت حیرت انگیز ثابت ہوئے، شاعر نے انھیں کے بارے میں کہا ہے:

اولوالعزمان دانشمند جب کرنے یہ آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

قربانی کا مفہوم اگر مقصد کی راہ میں قربان ہونے اور بڑے مقصد کے حصول کے لئے محبوب سے محبوب ترین چیز کو خرچ کر دینے کا نام ہے تو یہ مفہوم نیت کی سچائی اور ارادہ کی پختگی اور جدوجہد میں اخلاص و دیانت داری سے حاصل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ اپنی زندگی کے تمام گوشوں کو ان خوبیوں سے مزین کریں، اور پوری جرأت و بے باکی کے ساتھ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر کے ان کو ختم کرنے کا عہد کریں، اور قربانی کے سچے جذبے سے اپنے دلوں کو ہموار کریں، تاکہ زندگی میں خوشحالی اور امن و عافیت کی فضا پیدا ہو، اور عزت و عظمت کی بلندی تک پہنچ کر دنیا میں زندہ قوموں کی طرح زندہ رہنے کا حق حاصل کر سکیں۔

وقت کے اہم تقاضے، عمل اور ایثار کی ضرورت

دنیا کے کسی کامیاب معاشرے کا جائزہ لیجئے تو اس کی کامیابی اور خوشحالی میں عمل وایثار کا حصہ سب سے زیادہ نظر آئے گا، یہ ایک انسانی ضرورت ہے، اس سے گریز کرنا یا اس کو نظر انداز کر کے خوشحال زندگی کی توقع رکھنا، کسی ذہانت یا عقل مندی کی علامت نہیں ہے، تاریخ انسانی کے کسی دور میں کوئی ایسا سماج دکھائی نہیں دیتا، جہاں عمل اور ایثار کے خلاف کوئی آواز اٹھی ہو، جس طرح ظلم وناانصافی اور دوسری اخلاقی برائیوں کے خلاف آواز اٹھتی رہتی ہے۔

ہم غور کریں تو نہایت آسانی کے ساتھ یہ بات ذہن نشیں ہوسکتی ہے کہ عمل اور کوشش اور اس راہ میں تکلیف اٹھانا انسان کی فطرت میں داخل ہے، کوئی خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، کتنا ہی مالدار اور خوش حال کیوں نہ ہو، لیکن وہ بھی کام کرنے اور عمل کی راہیں متعین کرنے پر مجبور ہے، دنیا کے کسی مذہب یا فلسفہ میں ایثار وعمل سے کنارہ کشی کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، بلکہ اس کی ترغیب دلانے اور زندگی کو اس صفت سے مزین کرنے کی تعلیمات موجود ہیں، ایک طرف جانفشانی اور محنت کا حکم ہے تو دوسری طرف اپنے انسانی بھائی اور پڑوسی اور اپنے اور پرائے سبھی کے ساتھ ایثار کا معاملہ کرنے اور ان کی ضرورتوں اور تکلیفوں میں ساتھ دینے اور اپنی نجی ضرورتوں کو مؤخر کر کے حاجتمندوں کی حاجت روائی کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے، وہ یہ کہ کوئی ماحول اور سماج ترقی اور خوشحالی، امن وسلامتی اور زندگی میں سکون واطمینان کی منزل کی طرف اسی وقت گامزن ہوسکتا ہے جب اس کے افراد آپس میں تعاون کا جذبہ رکھتے ہوں، اور اپنی اپنی ذمہ داری کو پوری کرنے اور عمل کے میدان میں سرگرمی اور خلوص کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر چلنے پر تیار ہوں۔

عمل صرف الفاظ کے گورکھ دھندوں کا نام نہیں ہے، عمل کا مطلب ہے کہ انسان اپنی پوری کوشش ومحنت سے وہ کام کرے، جو اس نے خود اختیار کیا ہے یا اس کے لئے اس کا انتخاب ہوا ہے، خواہ آزادرہ کر اپنی ذاتی ذمہ داری میں اسے انجام دے، یا کسی بڑے شخص یا جماعت وادارہ کی ماتحتی میں وہ اس کام کو پورا کرے، عمل کی کامیابی یا کامیاب عمل کے لئے جس چیز کی بنیادی اہمیت ہے وہ احساس ذمہ داری ہے، جب بھی یہ احساس ہمارے اندر موجزن ہوگا عمل کے میدان میں ہم ہر اعتبار سے ہمیشہ کامیاب رہیں گے، اور اس کا بہترین ثمرہ ہم کو توقع کے مطابق ملتا رہے گا۔ اسی کے ساتھ مقصد کا تعین بھی ایک ضروری امر ہے، جب مقصد بڑا ہو تو عمل کا دائرہ بھی وسیع ہوتا ہے اور اس پر محنت وکوشش کا تناسب بھی بڑا ہوتا ہے، عمل کرنے والے کی توجہ اس پر زیادہ سے زیادہ مرکوز ہوتی ہے اور وہ تھوڑے وقت میں زیادہ پیداوار کی طرف متوجہ ہوتا ہے، مقصدیت کی روح سے خالی ہو کر اور ذمہ داری کے احساس سے دور رہ کر، کوئی عمل نتیجہ کے اعتبار سے کامیاب نہیں ہوتا، اسلامی تعلیمات میں اس نقطہ پر خاص طور سے توجہ دی گئی ہے، زندگی میں عمل کے عنصر کو بہت اہم بتایا گیا ہے، یہانتک کہ اگر عمل کی مقدار بہت کم ہو اور وہ صرف ذرہ کے برابر ہو تب بھی اس کا نتیجہ سامنے آئے گا، اگر عمل بہتر اور انسانی زندگی کی صلاح وفلاح کے لئے کیا گیا ہو تو اس کا بہت اچھا بدلہ ملے گا۔ اور اگر اس کے برعکس ہو، لوگوں کو نقصان پہنچانے اور برا سلوک کرنے کے لئے کیا گیا تو اس کا برا بدلہ مل کر ہی رہے گا۔ قرآن کریم میں ہے کہ ''جو آدمی ذرہ کے برابر اچھا عمل کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا، اور جو آدمی ذرہ کے برابر برا عمل کرے گا وہ اس کی سزا بھگتے گا۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

انسانی فطرت عمل اور محنت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے، اس لئے کارخانۂ عالم کا نظام صحیح اور بامقصد عمل کے ساتھ وابستہ ہے۔ انسانی سماج میں جب کوئی عمل خطرناک غلط

رخ اختیار کر لیتا ہے تو اس کی چولیں ہل جاتی ہیں، اس کا اجتماعی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور اس سماج کو طرح طرح کی مشکلات اور مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے، آج کہیں بھی کسی انسانی معاشرہ میں یہ صورت حال موجود ہو تو اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ عمل کا ڈھانچہ احساس ذمہ داری اور مقصدیت کی روح سے خالی ہو گیا ہے۔

یہی وہ روح ہے جو جوش عمل کو ایثار کے جذبہ سے جوڑتی ہے، اور اس کے نتیجہ میں سماج میں ہر سطح پر عمل اور ایثار کی ایک ہوا چل پڑتی ہے، تعاون کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں، خوشحالی اور ترقی کی شاہ راہیں کھل جاتی ہیں اور تقدیر کا رونا رونے کے بجائے جوش کردار سے پوری قوم سرشار نظر آنے لگتی ہے۔

جوش کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز

عمل کے ساتھ ایثار کی ہم آہنگی ایک بہترین عمل اور ایثار کی بہترین صلاحیتیں بیدار کرتا ہے اور ایک خوشحال معاشرہ تعمیر کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، بعض دفعہ یہ دیکھا گیا ہے کہ سماج پر ایک جمود اور مایوسی کی کیفیت طاری ہے، لوگ شکست خوردگی کے احساس میں مبتلا ہیں، عمل کا جذبہ بڑی حد تک سرد پڑ چکا ہے، اور اس کے نتیجہ میں غریبی اور احساس کمتری اور دوسری خرابیاں جڑ پکڑ رہی ہیں کہ اسی اثنا میں پردہ غیب سے کوئی باعمل، محنتی اور احساس ذمہ داری سے بھرپور انسان ظاہر ہوتا ہے اور دیکھتے دیکھتے پورے ماحول کو بدل کر رکھ دیتا ہے، اور معاشرہ کے مردہ جسم میں سرگرمی اور احساس ذمہ داری کی روح پھونک دیتا ہے۔

ایثار کے معنی ہیں ترجیح دینا، یعنی اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینا، اور اپنی ضرورتوں کو پیچھے رکھ کر دوسروں کی ضروریات کو مقدم کرنا اور ان کا خیال کرنا، ایثار ایک ایسی عظیم الشان اخلاقی صفت ہے، جس کے ہوتے ہوئے سماج ہر طرح کے انتشار اور شکست وریخت سے محفوظ رہتا ہے، تعاون کی نئی راہیں کھلتی ہیں، محبت واعتماد کی فضا رواج پاتی ہے۔ اتحاد پیدا ہوتا ہے اور ہر فرد دوسرے کو اپنا تعاون پیش کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے، ایسی صورت حال کسی سوسائٹی اور قوم کو بلندی پر پہنچانے کے لئے بالکل کافی ہے، ایثار کی ضرورت پر زور دیتے

ہوئے رسول اسلام نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے ایمان میں اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

ہدایت کی آخری کتاب قرآن کریم نے اس اخلاقی ضرورت پر زور دیتے ہوئے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہونا پسند کیا تھا۔ فرمایا گیا کہ وہ لوگ اپنی جان پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ وہ کتنے ہی ضرورت مند کیوں نہ ہوں، چونکہ ایثار سخاوت کی ایک بہت اونچی قسم ہے اور اس میں دوسروں کی ضرورت اور حالات کو مقدم رکھنا ہوتا ہے، اسلئے تاکید کردی گئی کہ بخل کی عادتوں سے دور رہنا ضروری ہے اور کہا گیا کہ جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے محفوظ رہیں گے وہی کامیاب ہیں۔

اخلاقی قدروں کو صیقل کرنے کے لئے عمل اور ایثار کی بڑی اہمیت ہے، یہ دونوں ہی پہلو اس قدر ضروری ہیں کہ کام اور زندگی میں خوشحالی کی تکمیل اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ افراد اپنی اپنی عملی ذمہ داریوں سے عہد برآمد نہ ہوں، اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ ان کے دلوں میں نہ ابھرے، وہ صرف اپنی ذات اور خاندان کو خوشحال کرنے میں دلچسپی نہ رکھتے ہوں، بلکہ وہ اجتماعی طور پر خوشحالی کی تمنا رکھتے ہوں، پوری قوم اور پورے ملک کو خوش حال اور ترقی یافتہ دیکھنا چاہتے ہوں، ہر طرح کی اخلاقی بیماریوں کا صفایا کرنا چاہتے ہوں، جہالت اور مریض ذہنیت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیریں کرتے ہوں ایسے میں لوگوں کی جہد و جہد کا محور، عمل اور ایثار اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ قرار پاتا ہے۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں عمل اور ایثار کا بہترین نمونہ اسی وقت نظر آتا ہے جب مہاجرین اور انصار میں بھائی چارگی کا رشتہ قائم ہوا، مہاجرین کے پاس کچھ نہیں تھا تو انصار نے ان کے لئے کام کی راہیں بھی کھولیں اور اپنے مال و متاع میں ان کو پوری طرح شریک کیا۔ یہاں تک کہ جس کے پاس دو بیویاں تھیں اس نے ایک کو طلاق دے کر اپنے دوسرے بھائی کی ازدواجی زندگی کا انتظام کیا۔ تجارت، مکان، باغات اور ہر چیز میں انصار نے مہاجرین کو زیادہ سے زیادہ حصہ دیا، دوسری طرف مہاجرین نے عمل اور محنت کے پہلو کو پیش نظر رکھا اور

پوری طاقت کے ساتھ وہ اپنی محنت وعمل والی زندگی میں مشغول ہوگئے، اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی وہ صاحب تجارت وجائداد بن گئے، اور ایک بہترین مثالی معاشرہ وجود میں آیا، جہاں عمل اور ایثار کی حکمرانی تھی۔

یہ عمل اور ایثار کی ہم آہنگی کا نتیجہ تھا کہ دنیا کی جو قومیں پس ماندگی، غربت اور جہالت کی ذلتوں میں مبتلا تھیں، وہ اس راز سے واقف ہوتے ہی بہت تھوڑی مدت میں دنیا کی ترقی یافتہ اور زندگی کے ہر میدان میں قابل تقلید قوموں میں شمار ہونے لگیں، ہر عمل کی قابل لحاظ وسعت مقصد کی بلندی کے ساتھ وابستہ ہے، اگر عمل ہو اور ایثار کا جذبہ نہ ہو، یا ایثار کا جذبہ ہو اور عمل مفقود ہو تو ترقی کی روح ہمہ جہتی اور بے لوثی صفات سے خالی ہوگی۔ ایسی صورت میں ہمہ گیر اور تیز رفتار اجتماعی ترقی اور خوش حالی کا تصور مشکل ہوگا۔ زندگی مختلف النوع مسائل سے خالی نہیں ہوسکتی اور روح کی تسکین کا سامان اس زندگی میں بہت کم ہوگا۔

وقت کا تقاضہ ہے کہ ہمارے اندر عمل اور ایثار کا جذبہ ابھرے اور ہم ان دونوں پہلوؤں میں توازن برقرار رکھتے ہوئے ایک کو دوسرے سے ہم آہنگ کرسکیں، اسی میں ہماری ہمہ گیر ترقی کا راز مضمر ہے، اجتماعی عظمت اور قومی امتیاز کا نشان قائم کرنے کے لئے ہمیں وقت کے اس اہم ترین تقاضے کو پورا کرنا ہوگا۔

صبر کی اہمیت

صبر انسانی زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، یہ وہ بنیادی ستون ہے جس پر سیرت واخلاق کی تعمیر ہوتی ہے، اس اہم ترین عنصر کو اگر ہم زندگی سے علیحدہ کردیں تو انسان تلخیوں، ناکامیوں اور مایوسیوں کا مجموعہ بن کر رہ جائے، اور اس کی زندگی مسلسل آہوں اور حسرتوں کی تصویر بن جائے، آپ دیکھتے ہوں گے کہ زندگی کی مشقت میں جو لوگ صبر وتحمل کی وادیوں سے کترا کر گزر جاتے ہیں وہ نہ صرف خود ناکامیوں اور طرح طرح کی پریشانیوں سے دوچار ہوتے ہیں، بلکہ اپنے گردوپیش اور اپنے ماحول کو بھی وہ مختلف قسم کے مسائل ومشکلات میں مبتلا کردیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخ انسانی کے ہر دور میں اس خاص پہلو کو زبردست اہمیت حاصل رہی، زندگی کے جتنے فلسفے بھی وجود میں آئے ان سب نے صبر کو بنیادی مقام عطا کیا۔ یونان وروم بھی اپنے خاص فلسفہ حیات وکائنات میں صبر کے تصور کو نظر انداز نہیں کرسکے اور نہ زندگی کے خالص مادی فلسفوں میں اس عنصر کی اہمیت کو گھٹانے کی کوئی کوشش کامیاب ہوسکی، بلکہ ہر ایک نے اسے انسان کی ایک اہم ترین اور ناقابل انکار ضرورت سمجھا، اور عام انسانی زندگی کی تعمیر میں بھی اس کے کردار کی اہمیت کو تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکے۔

اس طرح عام مذاہب کی تعلیمات میں صبر کو زبردست اہمیت حاصل ہے، آسمانی مذاہب کی تو ابتدا ہی صبر کی تلقین سے ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ مادی دنیا ہر طرح کی مشقتوں اور آزمائشوں کی آماجگاہ ہے، یہاں زندہ رہنے اور اپنی زندگی کا حق تسلیم کرانے کے لئے صبر کی طویل وعریض وادیوں سے مسلسل گزرنا پڑتا ہے، اور کبھی حالات کے سامنے جھکنے کے لئے

صبر کے دامن میں پناہ لینے کی ضرورت پیش آتی ہے، کبھی حالات کو اپنے سامنے جھکانے اور ان پر غالب آنے کے لئے صبر کے ہتھیار کو نہایت حکمت اور ذہانت کے ساتھ استعمال کرنا پڑتا ہے، اور یہ عمل زندگی کے ہر مرحلہ میں ہر شخص کے ساتھ جاری رہتا ہے، لیکن جو لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اور زندگی کے معاملات میں دامن صبر کو تھامنے سے گریز کرتے ہیں وہ خدا کی مدد سے بھی محروم رہتے ہیں، اس لئے کہ خدائے پاک کی مدد انھیں لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو صبر سے کام لینے والے ہوتے ہیں۔

انسانی تاریخ کے کسی دور میں بھی کوئی بڑی ہستی وجود پذیر ہوئی تو اس کی زندگی کا سب سے نمایاں وصف صبر کی شکل میں نظر آیا اور صبر ہی اس کا سب سے بڑا عنصر ترکیبی شمار ہوا۔ مذاہب کے نمائندوں، اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے پاسبانوں اور قوموں کے رہنماؤں، کسی خاص فلسفہ اور فکر کے ذمہ داروں، جس کو بھی آپ غور سے دیکھیں اور گہرائی سے اس کا جائزہ لیں تو اس کی عظمت و امتیاز کا راز قوت صبر و برداشت میں نظر آئے گا۔

اسی لئے صبر کی تلقین کر کے ذمہ داری کے بوجھ کو اٹھانے اور اس سے عہدہ برآمد ہونے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ مذہب اسلام میں جتنی بھی عبادتیں اور اعمال مقرر ہیں ان سب میں صبر کی مشق کرائی گئی ہے۔ لیکن اسلام نے روزے کی عبادت کو خاص طور سے صبر کی عبادت قرار دیا ہے، اور ہر سال ایک مہینے تک صبر کی مشق کرانے کے لئے روزہ رکھنے کا حکم ہے، تاکہ ایک مسلمان اپنی تمام ذمہ داریوں خواہ وہ انفرادی زندگی سے تعلق رکھتی ہوں یا اجتماعی معاملات سے، صحیح طریقے سے انجام دے سکے۔ اور بنی نوع انسان کو اپنی رہنمائی میں اس کے صحیح مقام تک پہونچ اس کے، اسلام کی تعلیمات میں صبر کو ایسی امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ قرآن کریم نے بے شمار آیتوں اور ہدایتوں میں یہ بات واضح کر دی ہے کہ صبر زندگی کا ستون ہے، اور اسی پر مستقبل کی عمارت تعمیر ہو سکتی ہے، آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا، اور صبر اختیار کرنے کی طرف مائل کرنا اور اس کی اہمیت کو سمجھ کر اس کو زندگی کا بنیادی عنصر قرار دینا، ایک کامیاب انسان کی علامت ہے، ذرا اس چھوٹی سی ''سورہ والعصر'' کو پڑھئے اور

اس کے الفاظ پر غور کیجئے، کس طرح صاف لفظوں میں کہا گیا ہے کہ انسان یقینی طور پر بڑے خسارے اور نقصان میں مبتلا ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان اور نیک عمل سے سرفراز ہوئے اور حق اور صبر پر جمے رہنے کی ایک دوسرے کو وصیت کی اور اس کا چرچا کیا۔

حضرت موسیٰؑ جب علم کی تلاش میں نکلے اور حضرت خضر سے ملاقات کی تو علم حاصل کرنے کی سب سے پہلی شرط ان کے نزدیک یہ تھی کہ صبر اختیار کرنا ہوگا، اور یہ ہر شخص کے بس میں نہیں ہے، انھوں نے موسیٰ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے، لیکن ان کے اصرار پر ان کو ساتھ لے لیا، اور آخر کار کئی ایسے واقعے پیش آئے کہ وہ صبر کے دعوی پر قائم نہ رہ سکے، اور بے صبری کے نتیجے میں ان کو خضر جیسے زبردست عالم کی رہنمائی سے محروم ہونا پڑا۔

انسان کی زندگی ہر وقت آزمائشوں کے چوراہے پر کھڑی ہوئی نظر آتی ہے، کبھی اپنوں سے اور کبھی غیروں کی طرف سے اور کبھی دونوں طرف سے آزمائشیں اس کو گھیر لیتی ہیں، ایسے نازک وقت میں جو چیز اس کے لئے تسلی کا سامان فراہم کرتی ہے اور اس کے اعصاب کے تار کو بکھرنے سے محفوظ رکھتی ہے وہ محض صبر ہے، وہ صحیح زندگی کا عظیم الشان عنصر ہے، جو شخص بھی آزمائشوں کے موقع پر صبر کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنے وجود کو قابو میں رکھتا ہے اور خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کے لئے اچھی زندگی کی بشارت ہے، قرآن کی زبان میں ایسے لوگوں کو خوشخبری دی گئی، جو مصیبتوں کے موقع پر قوت برداشت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں، ایسے لوگوں پر خدا کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور وہ اس کی توجہ سے سرفراز ہوتے ہیں۔

لیکن صبر کا سب سے زیادہ حساس اور قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ کسی مجبوری یا کسی مصلحت کی بنا پر صبر کا مظاہرہ نہ کیا جائے، بلکہ بے صبری اختیار کرنے کی پوری گنجائش ہونے اور برداشت کے دائرہ سے نکل کر نفس کے تقاضے کو پورا کرنے پر پوری طرح قدرت حاصل ہو اور اس راہ میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہ ہوتے ہوئے بھی صبر کا پورا پورا مظاہرہ ہو، اور دامن

صبر سے ذرا بھی پیچھے ہٹنے کا خیال دل میں نہ آئے، تو ایسے صبر کی اہمیت پورے طور پر تسلیم ہے، اور اس کا ثمرہ ہر حال میں حاصل ہونا بالکل یقینی ہے۔

غور کیجئے تو انسانی زندگی میں صبر کی بڑی اہمیت ہے ..... یہ ایسا اہم ترین عنصر ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ہمارا نظام حیات اس سے دست بردار نہیں ہوسکتا، اس میں تمام انسانی طبقات مساوی حیثیت رکھتے ہیں، ہر شخص خواہ وہ بڑے سے بڑا انسان ہو یا کسی کمزور طبقے سے تعلق رکھتا ہو، اسے صبر اختیار کرنے اور صبر پر اعتماد کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں، کوئی انسان اپنی زندگی کی ڈکشنری سے لفظ صبر کو نکال کر زندگی کا لطف نہیں اٹھا سکتا۔

اس ناقابل انکار حقیقت کی بنا پر صبر کی تلقین تمام مذاہب میں موجود ہے اور کسی انسانی نظریے یا زندگی کے فلسفے کو اس حقیقت سے روگردانی کرنے اور اس سے بے نیازی برتنے کی ہمت نہ ہوسکی، اگر ہم یہ سوچیں کہ بے صبری کے باوجود بھی ہماری زندگی امن وچین کے سایے میں اور اطمینان وعافیت کے ساتھ گزر جائے گی، تو عملی میدان میں قدم رکھتے ہی ہمیں مایوسی ہوگی، اور قدم قدم پر ہم کو صبر کا سہارا لینا پڑے گا، صبر کا دائرۂ اثر انفرادی زندگی اور نجی معاملات سے لے کر اجتماعی زندگی اور سیاسی ومعاشی معاملات تک پھیلا ہوا ہے، اور زندگی کے ہر شعبہ عمل میں اس کی تاثیر مسلم ہے۔

آج اگر ہم انسانی زندگی کے بہت سے مسائل ومعاملات میں شدید اختلافات دیکھتے ہیں اور ہر سطح پر بے اطمینانی، خوف ودہشت اور کبھی کبھی جنگ کے خطرات محسوس کرتے ہیں تو سمجھئے کہ یہ سب بے صبری کے نتائج ہیں اور صبر کے عنصر کو اہمیت نہ دینے کی وجہ سے ہم کو ان حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایسے مواقع پر ہم کو یہ بھی مدنظر رکھنا ہوگا کہ وہ کون سی ایسی شکلیں اور حالات ہیں، جن سے وابستہ ہوکر ہم صبر وتحمل کے فوائد سے محروم ہوجاتے ہیں، اور زندگی کی گاڑی صحیح خطوط پر چلنے سے انکار کرنے لگتی ہے، اور وہ کون سی ایسی صورتیں ہیں جن کو اپنا کر ہم صبر کے میٹھے پھل سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں اور ماحول اور حالات کے ناسازگار ہونے کے باوجود ہم دنیا میں ایک باعزت فرد کی طرح زندہ رہنے کا حق تسلیم کرالیتے ہیں۔

عیدالاضحیٰ اور سنت ابراہیمی

ذی الحجہ کی دسویں تاریخ پوری امت اسلامیہ، بلکہ بنی نوع انسان کے لئے ایک ایسا یادگار دن ہے جس سے سیدنا ابراہیمؑ کی ایک عظیم سنت دہرائی جاتی ہے، اس سنت کو ہم قربانی کے نام سے یاد کرتے ہیں، یہ قربانی دراصل سچائی اور محبت کی اس عظیم الشان فتح کا نام ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ اس امت کو حاصل ہوئی تھی، اور جو اس بات کا اعلان ہے کہ ایک بندۂ مومن کی پوری زندگی قربانی کی بنیاد پر تعمیر ہوتی ہے، وہ زندگی میں مسلسل جدوجہد، پیہم کوشش ومحنت اور دم بدم تگ ودو کا محتاج ہے، ایثار وقربانی کا جذبہ ہی دراصل وہ سرچشمہ حیات ہے، جہاں سے ہمہ دم اس کو زندگی اور پائندگی حاصل ہوتی رہتی ہے، ایک اچھے اور ایثار پسند سماج کی خشت اول اسی قربانی اور فدائیت کے تصور پر قائم ہوتی ہے، اس کے بغیر کوئی سماج کامیاب نہیں ہوسکتا اور نہ وہ اپنے ماننے والوں کے لئے امن ومحبت کا کوئی پیغام پیش کرسکتا ہے۔

حضرت ابراہیم کی پوری زندگی مسلسل قربانیوں کا ایک آئینہ ہے جس میں فدائیت اور اخلاص وایثار کے وہ نمونے نظر آتے ہیں جو ایک سچے اور مخلص دوست کے اندر پائے جا سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کو خلیل اللہ کے لقب سے نوازا گیا اور بارگاہ خداوندی میں آپ کو خصوصی مقبولیت حاصل ہوئی، آپ کی اولاد میں نبی آخرالزماں محمد ﷺ اس عظیم امت کے آخری نبی اور رسول بن کر تشریف لائے، جن کے ہاتھوں سنت ابراہیمی اور حیات خلیل کی یادگار کو قیامت تک کے لئے زندہ وپائندہ کردیا گیا، اور اس کو رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لئے ہدایت وضلالت، حق وباطل کی میزان قرار دیا گیا۔

یہی وہ میزان عدل ہے جو حق کی فتح یابی اور باطل کی شکست کا اعلان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے کرتی چلی آرہی ہے اس میزان عدل کی سب سے بڑی خصوصیت اور اس کا بنیادی امتیاز قربانی کا وہ جذبہ ہے جو اس کے اولین سرپرست ابراہیمؑ کے قلب میں موجزن تھا، اسی نے اان کو خلیل اللہ بننے کی عزت عطا کی اور ان کے ہاتھوں کو بیت اللہ کی تعمیر کا شرف بخشا، جو ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے قبلہ بنایا گیا اور قیامت کے لئے اس کا حج کرنا امت مسلمہ کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے اور ہر سال عیدالاضحیٰ کے دنوں میں باستطاعت مسلمانوں پر قربانی فرض کردی گئی۔

عیدالاضحیٰ حقیقت میں ابراہیمؑ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے اس یادگار واقعہ کو دہرانے کا نام ہے، جو آج سے ہزاروں سال پہلے دنیا کی تاریخ میں پیش آیا، جہاں حکم خداوندی سے انھوں نے راہ خدا میں اپنے محبوب بیٹے اسمٰعیل کو قربان کر دینے کا خواب دیکھا، وہ خواب دراصل ایک حکم تھا، اس کی عظمت ابراہیمؑ کے دل میں جاں گزیں ہوگئی، وہ محبت کے امتحان میں کامیابی کا ایک مضمون تھا، ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو خوشخبری سنائی ،انھوں نے سراطاعت خم کر دیا، باپ اپنے بیٹے کو ایک سنسان مقام کے طرف لے کر روانہ ہوئے، تاکہ وہ بیٹے کو محبت واطاعت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھادیں، اس واقعہ کی تصویر قرآن کی زبان میں کچھ اس طرح کھینچی گئی ہے۔

جب بیٹا باپ کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو باپ نے کہا اے میرے پیارے بیٹے! بیشک میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تم کو اللہ کی راہ میں قربان کر رہا ہوں تو بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: ابا جان! آپ کو جس بات کا حکم دیا جارہا ہے اس حکم کو بجالایئے ، مجھے آپ انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں پائیں گے، چنانچہ جب وہ دونوں باپ اور بیٹے اللہ کے حکم کے سامنے سرنگوں ہوگئے اور باپ نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹادیا تاکہ گردن پر چھری چلادے تو اسی وقت ہم نے ان کو آواز دی اے ابراہیم! تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا اور ہم اسی طرح اپنے وفادار اور سچے بندوں کو بدلہ دیتے ہیں، تم اچھی طرح جان لو، یہ کھلی

ہوئی آزمائش ہے، پھر ہم نے ان کو ایک بڑی قربانی فراہم کردی دنبے کے ذریعہ اور ان کا ذکر بعد میں آنے والوں کے لئے باقی رکھا۔

عیدالاضحیٰ دراصل اس قربانی کی یاد تازہ کرنے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد کو دہرانے کا ایک تاریخی دن ہے، یہ حقیقت میں ہر مسلمان کے لئے ایک رمز ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی سب سے بڑی چیز اور محبوب تر متاع کو قربان کئے بغیر زندگی میں سعادت و کامرانی، خوش بختی اور اطمینان نہیں حاصل ہوسکتا، قرآن مجید کی اس آیت میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے: "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" جب تک کہ تم اپنی محبوب ترین چیزوں میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو، اس وقت تک نیکی اور سعادت نہیں پاسکتے۔

غور کیجئے تو مسلمان کی زندگی مسلسل قربانیوں اور پے بہ پے ایثار کا ایک سلسلہ ہے ، جو اس کی زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہتا ہے ، اور جب بھی وہ اس ذمہ داری سے دستبردار ہونے اور اور قربانی کے تقاضوں سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو مصائب و آلام کا شکار ہوتا ہے۔ اور وہ تمام ناخوشگوار حالات اس کو گھیرتے ہیں جو اس کی زندگی کے ہر لمحہ کو تلخ تر بنانے میں پوری مدد کرتے ہیں، زندگی میں کامیابی کا راز ایثار کی حقیقت میں پوشیدہ ہے، جن قوموں نے اس راز کو پالیا ہے وہ ہر مرحلہ میں اور ہر سخت سے سخت موقع پر کامیاب اور سرخ رو ہوئیں، کامیاب اور باعزت قوموں کی تاریخ میں جتنے بھی عظیم واقعات رونما ہوئے اور محیر العقول کارنامے انجام پائے وہ سب اسی جذبہ ایثار و فدائیت کے رہین منت ہیں۔

لیکن خودغرضی ، موقع پرستی ، نفع اندوزی ، اور دوسروں کو نقصان پہنچا کر خود فائدہ حاصل کرنے کا تصور جب افراد یا قوموں پر غالب آتا ہے تو انسانی معاشرہ میں جنگل کا قانون رائج ہوجاتا ہے اور زندگی ایک تاریک غار کے دہانے پر کھڑی نظر ہوجاتی ہے۔ انسانی اخلاق دم توڑ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ہر طرف عداوت و انتقام کے شعلے بھڑکتے ہوئے دکھائی دینے لگتے ہیں، زندگی شکوک و شبہات کے سیلاب میں بہہ پڑتی ہے۔ اور سوائے نفس پرستی ، ہوس

رانی، شکم پروری اور طرح طرح کی اخلاقی بیماریوں کے اور کوئی قابل ذکر چیز باقی نہیں رہ جاتی، جاہلی عرب کی تاریخ اور یورپ کے تاریک دور کے قصے اس حقیقت کے بہترین شاہد ہیں۔

.....

ابراہیم علیہ السلام جس زمانے میں پیدا ہوئے وہ مادیت کے عروج کا دور تھا، لوگ اس وقت سوائے مادہ پرستی کے کسی اور چیز سے واقف ہی نہیں تھے، مادہ پرستی پر تقدس اور عقیدت کا ایسا رنگ چڑھ چکا تھا کہ اس نے رب کائنات کا درجہ حاصل کر لیا تھا اور اللہ کا تصور لوگوں کے دلوں سے نکل چکا تھا، جو کچھ دنیا میں ہو رہا تھا وہ سب انسانی طاقت اور مادی عزت وحشمت کا کرشمہ سمجھا جاتا تھا، جدھر دیکھئے اسی طرف نفس پرستی کا چرچا تھا، اور انسان اپنے مقام سے نیچے اور بہت نیچے گر چکا تھا وہ اخلاق کی دولت سے محروم اور ایمان کی نعمت سے نا آشنا تھا، ایسے پر آشوب ماحول میں ابراہیمؑ نے انقلاب کا نعرہ بلند کیا، نفسانیت اور مادہ پرستی کے خلاف آواز اٹھائی اور ایک خدا کے سامنے جھکنے، اسی کی عبادت کرنے اور اسی کے لئے جینے اور مرنے کی دعوت دی اور اعلان کیا کہ ''میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور مرنا سب اسی اللہ کے لئے ہے، جو سارے جہاں کا رب ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی قربانیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے، لیکن جو قربانی سنت ابراہیمی کے طور پر عید الاضحیٰ کے دنوں میں انجام پاتی ہے وہ حقیقت میں اشارہ ہے اس بات کا کہ انسان اپنے رب کے سامنے ایک تابعدار بندے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اس کی ہر چیز حتی کہ اس کی جان، اس کا مال، اس کی اولاد سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، وہ جب چاہے اسے واپس لے سکتا ہے، اور جب بندے کے دل میں یہ احساس جگہ پکڑ لے تو اصل اطاعت اور فرمانبرداری اسی وقت بروئے کار لائی جا سکتی ہے، اور جب بھی انسان اپنی زندگی کے سارے معاملات اپنے تمام وسائل وامکانات اور اپنی اولاد ومتاع کو اور اپنے مستقبل کو خدا کی اطاعت وبندگی کے حوالہ کر کے اور ہر حال میں شکر گزار بندہ بن کر رہے تو اس وقت وہ ایک مثالی انسان قرار پاتا ہے اور اپنے ماحول کے لئے ایک قابل تقلید کردار پیش کرتا ہے۔

میرا پیغام، محبت ہے، جہاں تک پہنچے

(حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی حیات کے تناظر میں)

تیرہویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے، سلطان علاء الدین خلجی دہلی کے پایۂ تخت پر متمکن ہے اور ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک کا سب سے بڑا فرمان روا ہے، اس شہر دہلی کے ایک گوشے میں خدا کا ایک محبوب بندہ مرجع خلائق بنا ہوا ہے، شاہ وگدا، امیر وغریب، عاصی اور عالم سب اس درویش صفت بندے کے جاہ وجلال کے سامنے سرنگوں ہیں، اگر سلطان علاء الدین خلجی لوگوں کے جسموں پر حکومت کرتا ہے تو یہ بے لوث بندۂ خدا لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کر رہا ہے، اس کو دولت وسلطنت کردار جہانبانی کے کروفر، دنیائے جاہ وجلال، سیم وزر کے انبار اور تیغ وتبر کی مصنوعی ہیبت وقوت سے کیا سروکار، شاہان وقت خوف ودہشت کے احساس سے دلوں کو زیروزبر کرتے ہیں، تو خاصان خدا الفت ومحبت کی سوغات سے خلق خدا کو سرشار کرتے ہیں، خسروان زمانہ اپنے شاہانہ رعب ودبدبے سے دلوں کو دہلاتے ہیں تو اولیائے یگانہ اپنی قلبی توجہات اور واردات سے دلوں کو رقت ونرمی کا تحفہ عطا کرتے ہیں، اور خدا کے بندوں کو براہ راست خدا سے جوڑتے ہیں، اور امیر وغریب کے فرق کو مٹا کر سب کو بندگی کی ایک لڑی میں پرو دیتے ہیں۔

اب تک آپ کے ذہنوں میں نہ جانے کتنے سوالیہ نشانات ابھرے ہوں گے کہ آخر یہ کون سے وہ بزرگ ہیں، جن کے اوصاف بیان ہوتے چلے جارہے ہیں اور اسرار کے دبیز پردے کے پیچھے ان کی قدآور شخصیت چھپی ہوئی ہے، لیکن آیئے پردہ اٹھا کر دیکھتے ہیں، اور شوق دیدار کو تسکین بخشتے ہیں، یہ ہیں حضرت نظام الدین اولیاء بدایوں کے ایک متوسط اہل

خاندان کے چشم و چراغ اور بعد میں اپنے عصر کے سب سے بڑے شیخ، اور ولی کامل، نہ جانے قدرت نے ان کو درجہ ولایت سے کس سخاوت کے ساتھ نوازا تھا کہ وہ صرف ایک ولی نہیں، بلکہ بہت سے ولیوں کا مجموعہ تھے اور تنہا ان کو اولیاء کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ اپنے شیخ و مرشد خواجہ فرید الدین اجودھنی کی خدمت میں اجودھن حاضر ہوئے تو ان کو دیکھتے ہی شیخ نے یہ شعر پڑھا:

اے آتش فرقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

گویا شیخ کا اپنے مرید سے ملنے کا اشتیاق عرصہ سے دل میں پرورش پا رہا تھا۔ اور جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو ان کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور ان کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے، اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء مرجع خلائق بنے اور نہ جانے کتنے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑا، کتنے بکھرے ہوئے شیشوں کو اکٹھا کیا۔ اور کتنے گم کردہ راہ انسانوں کو ہدایت و راہ یابی کی دولت سے سرفراز فرمایا۔

دہلی کا کوچہ کوچہ آپ کے اعلیٰ اخلاقی قدروں سے گونج رہا تھا، انسانوں کا ایک سیل رواں تھا، جو ہمہ دم آپ سے کسب فیض کرنے کے لئے ملک ہندوستان کے ہر گوشے سے امنڈا پڑ رہا تھا، اور شیخ وقت خواجہ نظام الدین اولیاء کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے کے لئے بے تاب رہا کرتا تھا، حضرت نظام الدین اولیاء اپنی خاص توجہات سے سب کو نوازتے تھے، اپنی محبتوں کا خزانہ ہر طرف تقسیم کرتے اور لوگوں کو آداب محبت سے آشنا کرتے، جو بھی آتا وہ اس چشمۂ لطف و محبت سے سیراب ہو کر جاتا، اور رشد و ہدایت کی جو سوغات دربار خواجہ میں بٹ رہی تھی اس سے بہرہ اندوز ہوتا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپ کی ذات گرامی سے لوگوں کو اس قدر والہانہ محبت ہوئی اور اس طرح رجوع خلق عام ہوا کہ اس کے سامنے سلاطین دہلی کے درباروں کی عظمت ماند پڑ گئی، اس کو امیر خسرو نے جو آپ کے ہم عصر تھے، اس طرح کہا ہے:

در حجرهٔ فقر بادشاہی در عالم دل جہاں پناہی
شاہنشہے بے سریر و بے تاج شاہانش بہ خاک پائے محتاج

سیر الاولیاء کے مصنف لکھتے ہیں کہ: وارد و صادر میں سے پردیسی ہو یا شہری، جو بھی آتا سعادت قدم بوسی حاصل کرتا، کسی کو محروم نہ فرماتے، پوشاک، نقد، تحائف جو بھی خدا بھیجتا سب ہی ان آنے جانے والوں پر صرف ہوتا، جو بھی آتا اور جس وقت بھی آتا محروم نہ جاتا، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی فرماتے ہیں: فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا دروازے کے آگے بہتا تھا، کوئی دن فتوحات سے خالی نہ تھا، صبح سے شام تک لوگ آتے، بلکہ عشاء کے وقت تک، مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے اور جو کوئی کچھ لاتا اس سے زیادہ حضرت کی عنایت و محبت سے پاتا۔

حضرت نظام الدین اولیاء کا یہ مقام عظمت و جلال اور ان کی بے پناہ محبت جو خلق خدا کے لئے عام تھی، دیکھ کر دہلی دربار کے بادشاہ سلطان علاء الدین خلجی نے دربار اولیاء میں حاضری کی تمنا ظاہر کی، حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ میں آں مخدوم کا معتقد ہوں، مجھ سے جو بھی گستاخی ہوئی ہے معاف کیا جائے اور خدمت میں حاضری کی اجازت دی جائے، تاکہ قدم بوسی کی سعادت حاصل کروں، حضرت خواجہ اولیاء نے ارشاد فرمایا کہ آنے کی ضرورت نہیں ہے، میں غائبانہ دعا کرتا ہوں اور غائبانہ دعا بڑی مؤثر ہوتی ہے، لیکن سلطان نے اس کے باوجود ملاقات کے لئے حاضر ہونے پر بہت اصرار کیا، تب حضرت اولیاء نے فرمایا کہ اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں، اگر بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا تو میں دوسرے دروازے باہر چلا جاؤنگا، ایک طرف بادشاہوں اور اہل حکومت و سلطنت سے اس درجہ بیزاری اور فرار کہ اپنے عہد کے سب سے بڑے سلطان کی درخواست کو رد کر دی جاتی ہے۔ کوئی بھی ہو اور کہیں سے بھی آیا ہو، حضرت کی خدمت میں بے تکلف حاضر ہو رہا ہے، اور ان کی محبت و شفقت سے اپنا دامن بھر رہا ہے، ان کے دریائے علم و حکمت سے اپنی اپنی بساط کے مطابق حصہ لے رہا ہے، اور پیار و محبت کی دولت سے سرفراز ہو رہا ہے، ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ محبت وشفقت کا مینہ برس رہا ہے اور لوگ اس کے موتیوں سے اپنی جھولیاں بھر رہے ہیں اور دولت عشق ومحبت سے مالا مال ہو رہے ہیں، اور وہ ساری دنیا میں اس خزینے کو لٹا رہے ہیں، یہ وہ محبت نہیں تھی جو کسی عاشق کو صرف اپنے محبوب سے ہوتی ہے، بلکہ یہ صلائے عام تھی خلق خدا کے لئے، یہ دراصل مخلوق کو اپنے خالق کی محبت سے سرشار کرنا تھا، اور اس کو دنیا کے تمام انسانوں میں عام کرنا تھا، تاکہ ہر طرف محبت کی حکمرانی ہو، خودغرضی اور مفاد پرستی سے نفرت ہو، اخوت والفت کا ہر طرف چرچا ہو، اور تمام بندگان خدا اتحاد ویگانگت کے رشتے میں منسلک ہو کر زندگی کے حقیقی لطف سے آشنا ہوں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے دل میں محبت کا ایک ناپیدا کنار سمندر موجزن تھا، وہ کسی کو تکلیف میں مبتلا سن کر اپنے دل میں تکلیف محسوس کیا کرتے تھے، کسی کی جسمانی اذیت کو دیکھ کر اپنے جسم کو جلتا ہوا پاتے تھے، فوائد الفواد میں امیر حسن علاء سنجری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ہو رہی تھی، سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے سبھی لوگ دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے سایہ میں بیٹھنے والوں سے فرمایا کہ: بھائی ذرا مل مل کر بیٹھو، تاکہ ان بھائیوں کے لئے بھی جگہ ہو جائے، دھوپ میں یہ بیٹھے ہیں اور میں جلا جا رہا ہوں، ایک مرتبہ فرمایا کہ خدا کی مخلوق میرے سامنے کھانا کھاتی ہے اور میں اس کے کھانے کو اپنے خلق میں پاتا ہوں، جیسے وہ کھانا میں ہی کھا رہا ہوں۔

اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ دن رات لوگوں کی فکر میں رہتے، اگر کسی کو تکلیف میں دیکھتے یا کہیں کوئی حادثہ پیش آجاتا تو اس سے بے چین ہو جاتے اور داروئے محبت سے ٹوٹے ہوئے دلوں کا علاج کرنے کے لئے اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دیتے، ایک مرتبہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے نواسے خواجہ شرف الدین سے فرمایا کہ: میاں شرف الدین وہ رنج وغم جو میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے شاید ہی کسی کو اس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص میرے پاس آتا ہے اور اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے، اس سے دو چند فکر وتردد اور غم والم مجھے ہوتا ہے، بڑا سنگدل ہے وہ شخص جس پر اپنے دینی بھائی کا غم اثر نہ کرے، اس کے علاوہ جو یہ کہا گیا ہے

کہ مخلصین کو بڑا خطرہ درپیش رہتا ہے، اس سے بھی سمجھ سکتے ہو کہ کیا حال رہتا ہوگا۔ ایک دفعہ فرمایا کہ مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی، اس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہونچاؤ، کوشش کرو کہ کسی انسانی جان کو تم سے راحت پہنچے، یا جو دست شکستہ ہو اس کو تمہارے ذریعہ روٹی ملے، قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن نہ ہوگا، جتنا دل کا خیال رکھنے اور دل کو خوش کرنے کا ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

اسی گرمئی محبت اور سوز الفت کا نتیجہ تھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب خلائق بنے، ان کا دل لوگوں کو آرام پہنچانے، ان کی تکلیفوں کو دور کرنے اور آپس میں اخوت و محبت کی فضا کو عام کرنے کے لئے بے چین رہتا تھا، وہ انسان کو انسان سے جوڑنے کے ساتھ انسان کو اپنے رب کریم اور کائنات سے بھی جوڑتے تھے، ان کے نزدیک حقیقی محبت وہی ہوتی ہے جو دلوں کو کائنات کے غم سے بھر دے اور اس کے پیدا کرنے والے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہمہ دم تڑپاتی رہے، اس عظیم مقصد کو پورا کرنے کے لئے دنیا میں زندگی گزارنا اور دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا بھی ناگزیر ہے، لیکن ایسا نہ ہو دنیا کی محبت غالب آجائے اور انسان انسانوں سے بے تعلق ہو کر صرف دنیاوی مفاد حاصل کرنے میں ہمہ تن مشغول ہو جائے، اس کو محبت نہیں، بلکہ خود غرضی سے تعبیر کریں گے، اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے آپ نے بتایا کہ ایک شخص حضرت رابعہ بصریہ کے پاس آیا اور دنیا کی سخت مذمت کرنے لگا، حضرت رابعہ بصریہ نے اس سے کہا کہ برائے مہربانی اب آپ اس کے بعد نہ آیئے گا، اس لئے کہ آپ کو دنیا سے بڑی محبت معلوم ہوتی ہے، اسی لئے آپ اس کا بہت ذکر کرتے ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء کی پوری زندگی محبت والفت کا ایک طویل اور زریں سلسلہ ہے، جہاں ہم کو سچی محبت کا پیغام ملتا ہے، محبت کے تقاضے اور الفت کے آداب کا قرینہ ملتا ہے، اور محبت کی راہوں سے گزر کر دلوں کو جیتنے اور ان پر حکمرانی کرنے کا انداز سمجھ میں آتا ہے، انھوں نے انسان کو انسان سے محبت کرنے کا درس دیا، اور محبت کی داستان کو حقیقت کا

رنگ عطا کیا اور اس کو ایسی پاکیزگی اور بلندی بخشی کہ محبت انسان کا ایک مقدس فریضہ بن گیا، جو انسانیت کا جوہر اور زندگی کا زیور قرار پایا اور یہ راز کھل کر نظروں کے سامنے آیا کہ انسان نام ہے سراپا محبت کا اور اس کی فطرت میں محبت کا خمیر تمام عناصر پر غالب ہے۔ وہ محبت ہی ہے جو انسان کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچاتی ہے، اور اسی کے فقدان سے انسان حیوانیت کی سطح سے بھی نیچے گر جاتا ہے، اور پھر انسان کہلائے جانے کا حق کھو بیٹھتا ہے، یہی وجہ ہے اقبال نے محبت کو فاتح عالم کا لقب عطا کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

عیدالاضحیٰ - محور اور مقصد

ابھی دو مہینے دس دن پہلے عیدالفطر کی خوشیاں منا رہے تھے، لوگوں سے گلے مل کر ان کو مبارک باد دے رہے تھے، اور نیک تمناؤں کا اظہار کر کے بھائی چارگی اور باہمی محبت کا ثبوت دے رہے تھے کہ آج پھر ایک دوسری عید کی مسرتوں میں ہم ایک دوسرے کے شریک ہیں، اور نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں، آج ہم عیدالاضحیٰ کا یادگار دن منا رہے ہیں، سچی محبت کی آزمائش میں کامیابی کا جشن منا رہے ہیں، خواہشات نفس کو قربان کر کے اللہ تعالیٰ کی سچی محبت کا نقش جاوداں قائم کرنے والے ابراہیم علیہ السلام کی یادگار منا رہے ہیں، جب ساری دنیا مادی اور وقتی فائدوں کے حصول کی راہ میں سرگرداں تھی، اور ایثار و قربانی کا جذبہ ایک جوہر نایاب بن چکا تھا، اللہ کا خیال دلوں سے نکل چکا تھا، زندگی ایک پرفریب ساز و سامان کی شکل اختیار کر چکی تھی اور مفاد پرستی کا بازار گرم تھا، اس وقت ابراہیمؑ اس دنیا میں آئے اور انھوں نے رب خدا کے حکم سے زندگی کا رخ متعین کیا اور قوم کی راہ سے ہٹ کر ایک نئی راہ اختیار کی، وہ قربانی، اطاعت، اور بندگی کی راہ تھی۔

عیدالاضحیٰ دراصل ابراہیم کی سنت کی پیروی میں اس یادگار واقعہ کو دہرانے کا نام ہے، جو آج سے تین ہزار آٹھ سو سال پہلے دنیا کی تاریخ میں پیش آیا، جہاں حکم خداوندی سے انھوں نے راہ خدا میں اپنے محبوب بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو قربان کر دینے کا خواب دیکھا، وہ خواب اصلاً ایک حکم تھا، ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اس کی اہمیت جاگزیں ہوگئی، وہ محبت کے امتحان میں کامیابی کا ایک رمز تھا، ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل کو خوشخبری سنائی، انھوں نے سر اطاعت خم کر دیا، باپ اپنے بیٹے کو ایک سنسان مقام کی طرف لے کر روانہ ہوئے

تا کہ وہ بیٹے کو محبت واطاعت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھادیں۔

ابراہیم علیہ السلام محبت کے امتحان میں کامیاب ہوئے، آزمائش نے ان کو کامیابی کی مبارکباد دی اور قربانی کی چھری بچے کے گلے پر چلنے کے بجائے دنبے کی گردن پر چلی، بلکہ درحقیقت وہ خواہشات نفس کی گردن پر، باطل وظالم ماحول کی گردن پر، غیر اللہ کی محبت پر چلی، شیطان رسوا ہوا اور ایمان کی جیت ہوئی، ابراہیمؑ کی یہ ادا ان کے رب کو اتنی پسند آئی کہ سنت ابراہیمی کے نام سے اس کو زندہ جاوید بنادیا اور ابراہیم کے ماننے والوں پر قیامت تک کے لئے اس کو زندہ رکھنے کا حکم صادر فرمادیا، اور سال میں ایک مرتبہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو اسی سنت کی یادگار منانے کے لئے جانور کی قربانی واجب قرار دے دی گئی۔ یہی وہ قربانی ہے جو عیدالاضحیٰ کے دنوں میں پوری دنیا میں کی جاتی ہے اور اسی بنا پر اس عید کو ہم عید قرباں کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔ ''جب وہ دونوں (ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ) اللہ کے حکم کے سامنے سرنگوں ہوگئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹادیا (تا کہ گردن پر چھری چلادیں) اور اسی وقت ہم نے ان کو آوازی دی کہ اے ابراہیم! تم نے اپنا خواب پورا کر دیکھایا اور ہم اسی طرح اپنے وفادار اور سچے بندوں کو بدلہ دیتے ہیں۔ تم اچھی طرح جان لو کہ یہ کھلی ہوئی آزمائش ہے، پھر ہم نے ان کو ایک بڑی قربانی فراہم کر دی (دنبے کے ذریعہ) اور ان کا ذکر خیر بعد میں آنے والوں کے لئے باقی رکھا''۔

حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی پر نظر ڈالئے تو آپ کو قربانی کی مثالیں قدم قدم پر نظر آئیں گی، یہ زندگی وہ آئینہ ہے جس میں بندہ کو اپنی سچی تصویر نظر آسکتی ہے، جہاں اس میں اسباب ووسائل سے قطع نظر کر کے صرف مسبب الاسباب پر توکل کامل اور یقین کی صحیح مثال موجود ہے۔ جہاں آگ کے شعلوں میں پورا اطمینان وسکون ہے، ایک بے آب وگیاہ وادی میں جہاں زندگی گزارنے کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی موجود نہیں ہے، بیوی اور چھوٹے سے بچے کو انتہائی اطمینان وسکون قلب کے ساتھ محض اللہ کے اعتماد پر چھوڑا جاسکتا ہے، نفس پرستی کے خلاف دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتوں سے تن تنہا جنگ کا اعلان کیا جاسکتا ہے، باپ کی

شفقتوں سے محض اس لئے محروم ہوا جا سکتا ہے کہ وہ خدا کے سامنے جھکنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

اگر ہم ابراہیمؑ کے زمانہ پر نظر ڈالیں اور وقت کی زندگی کا جائزہ لیں تو ہم کو صاف نظر آئے گا کہ پوری دنیا اس وقت اسباب و وسائل کے سامنے سربسجود تھی، ہر شخص کی زندگی اسباب و وسائل فراہم کرنے والی ذات سے ہٹ کر اسباب کے سہارے گزر رہی تھی، یہاں تک کہ اسباب معبود کی شکل اختیار کر گئے تھے اور وسائل ہی کو لوگ قادر مطلق سمجھنے لگے تھے، مادیت، زندگی کی مصنوعی شکلیں اور نمائشی کردار، یہ وہ چیزیں تھیں جو زندگی پر مسلط ہو چکی تھیں۔

ایسے وقت میں توحید کی ایک آواز اٹھی، جس کی صدائے بازگشت سے بحر و بر اور دشت و جبل سب کانپ اٹھے، یہ وہی آوازۂ حق تھا، جس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ کے حکم سے بلند کیا تھا اور دنیا کی سب سے عظیم طاقت کو جو اس زمانے میں مادیت کے سہارے جی رہی تھی چیلنج کیا تھا، اور آخر کار وہ عظیم طاقت اس آوازۂ حق کی تاب نہ لاس کی اور اس طرح صفحۂ ہستی سے اس کا وجود مٹ گیا، جس طرح ریت کی دیوار کو ہوائیں اڑا دیتی ہیں۔

عیدالاضحیٰ آج اسی زندہ جاوید نبی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سراپا صبر و توکل زندگی کی ایک یادگار ہے، جس میں ہر وقت اور ہر زمان و مکان کے لئے عبرت کا ایک ایسا موقع ہے کہ اگر وہ قوموں کے پیش نظر ہو تو دنیا کی ہر طاقت اور بڑی سے بڑی قوت اس کے سامنے سرنگوں ہو سکتی ہے، صرف اسباب و وسائل پر مکمل اعتماد کے خلاف اس میں انقلاب کی دعوت ہے اور وقت کے ہر نازک مسئلہ زندگی کی پیچیدہ گتھی کا حل اس میں موجود ہے۔

عیدالاضحیٰ کا پیغام اور مقصد یہ ہے کہ ایک صاف ستھری زندگی کا نمونہ ہم دوسروں کے سامنے پیش کریں، جس میں محبت، توکل۔ اور قربانی کا عنصر پوری طرح نمایاں ہو، جس میں سچی محبت کی راہ میں ہر محبوب چیز کو قربان کرنے، وقت کے نعروں اور مفاد پرست ماحول کے خلاف آواز اٹھانے اور سچے اصول پر ثابت قدم رہنے کا جذبہ موجزن ہو۔

عیدالاضحیٰ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان کی زندگی مسلسل کاوشوں، مسلسل جدوجہد اور پیہم نشاط و حرکت کا نام ہے، مقصد جتنا ہی عظیم الشان ہوگا، قربانی بھی اسی قدر بڑی ہوگی، اور

جدوجہد کا سائز بھی اسی کے مطابق ہوگا، جو لوگ مقصدیت کی روح سے معمور ہوتے ہیں وہ قربانی کے جذبہ سے بھی بھرپور ہوتے ہیں، جن قوموں نے دنیا کی تاریخ میں قیمتی اضافہ کیا ان کی تاریخ قربانی کے بڑے بڑے واقعات سے معمور ہے اور ان کے کارنامے تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔

آج جب کہ ہم ابراہیمؑ کی یادگار منانے جارہے ہیں اور عیدالاضحیٰ کے پرمسرت تقریب کے موقع پر ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کررہے ہیں، کتنا ضروری ہے کہ اس عید کے بانی کی زندگی ہمارے سامنے ہو اور ہم ان کی زندگی سے اپنی زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے روشنی حاصل کریں، کتنا سچ کہا ہے شاعر نے

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اسلامی بیداری

الحمدلله وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

حضرات سامعین اور خواتین!

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کہا ہے کہ ان الدین عنداللہ الاسلام ۔یعنی دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی کا نام ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان کی زندگی کو کوئی مذہب فائدہ پہنچا سکتا ہے تو وہ مذہب اسلام ہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مذہب انسان کی فطرت کے بالکل مطابق ہے، اس میں اس کی زندگی کو بہتر بنانے اور اس کو اونچا اٹھانے کی ساری تدبیریں موجود ہیں، اس کے علاوہ کوئی اور مذہب یا نظریہ یا کوئی بھی انسانوں کا بنایا ہوا طریقہ کامیاب نہیں ہوسکا، اس بات کا تجربہ ہر جگہ، اور ہر زمانے میں کیا گیا، اور اس بات کی بہت کوشش کی گئی کہ دوسرے طریقوں کو اختیار کر کے خوشحالی لائی جائے، اور ترقی لائی جائے، اور امن وامان (Safety) اور (Peace) کا مسئلہ حل کیا جائے، مگر جتنی کوششیں ہوئیں، اتنا ہی گتھی اور الجھتی گئی، اور کھٹنائیاں بڑھتی گئیں، ایک مسئلہ (Problem) حل ہوتو بہت سے (Problems) دوسرے مسئلے پیدا ہوگئے، اور کوئی ترکیب کامیاب نہ ہوسکی۔

آخر کار تجربہ سے ثابت ہوا کہ اسلام ہی ایک جامع اور مکمل مذہب ہے اور اس میں ہر طرح کی دشواریوں اور مسائل کا حل موجود ہے، اور جو راستہ اس نے دکھایا ہے وہی انسان کی زندگی کو کامیاب کرسکتا ہے، اس حقیقت (Fact) کو ہر ایک نے تسلیم کیا، اور اسلام کو اپنانے اور اس کی طرف لوٹنے کا سلسلہ شروع ہوا، اسی کو ہم اسلامی بیداری کہتے ہیں، اور

دیکھتے ہیں کہ اس بیداری کی لہر پوری دنیا میں پھیل گئی ہے اور سبھی قومیں یہاں تک کہ یورپ اور امریکہ میں رہنے والے لوگ بھی اس صورت حال کو محسوس کر رہے ہیں اور وہ اسلام کو انسانی زندگی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، ہمارے نوجوانوں نے اور نئی پیڑھی کے لوگوں نے اس ضرورت کو سب سے زیادہ سمجھا ہے اور وہ اسلام کے جھنڈے کو لے کر میدان میں آ نکلے ہیں، اور وہ اپنی تمام طاقتوں اور انرجیوں کو انسانیت یعنی مانوتا کو ابھارنے، اور جیون کو زیادہ سے زیادہ سپھلتا دینے اور کامیاب بنانے کی کوشش میں لگ گئے ہیں، اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے انھوں نے اسلام کے پیغام کو نئے سرے سے لوگوں تک پہنچانے کا کام شروع کر دیا ہے، اور انھوں نے زندگی کی گرتی ہوئی دیوار کو تھامنے اور اس کو مضبوط کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے، اس کے لئے وہ مذہب اسلام کی تعلیمات کا صحیح معنوں میں پرچار کر رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ جس خدا نے انسان اور اس سنسار کو پیدا کیا ہے، اور زمین و آسمان کو بنایا ہے، اور تمام چیزوں کو بنایا اور پھیلایا ہے، اسی خدا نے انسان کے جیون کو کامیاب بنانے، اس کو خوشحالی عطا کرنے اور امن وخوشی کے ساتھ رکھنے کے لئے اپنے آخری پیغمبر (میسنجر) صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ مذہب اسلام بھی نازل کیا ہے، تاکہ لوگ اس کی تعلیمات کی روشنی میں زندگی گزاریں اور دنیا میں بھی ہر طرح امن واطمینان اور خوشی وحفاظت کے ساتھ رہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی ان کو ہر طرح کی کامیابی اور اللہ کا انعام حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہا ہے کہ "ان الذین قالوا ربنا ثم استقاموا تتنزل علیهم الملائکة ألا تخافوا ولا تحزنوا وأبشروا بالجنة التی کنتم توعدون"

اسی مضمون کو رسول پاک ﷺ نے بیان فرمایا، جب ان سے ایک صحابی نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اسلام کے بارے میں کوئی ایسا مختصر نقطہ اور شارٹ پوائنٹ بتا دیجئے کہ پھر مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ یوں کہو کہ میں اللہ پہ ایمان لایا، اور پھر اس پر جم جاؤ۔

اسلام ایک ٹھوس حقیقت ہے

(Solid Fact)

حضرات سامعین اور خواتین!

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ، وھو فی الآخرۃ من الخاسرین، یعنی جو شخص بھی اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اور طریقہ تلاش اور اختیار کرے گا تو وہ اللہ کی نظر میں قابل قبول نہیں ہوگا، اور وہ شخص آخرت میں بہت نقصان اٹھائے گا۔

اس صاف صاف اعلان کے بعد ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اب اسلام ہی انسانوں کا اصل مذہب ہے، اور دنیا کے ہر گوشے میں بسنے والے انسان اسی مذہب کو مان کر اور اسی پر عمل کر کے کامیاب ہو سکتے ہیں، اس سے یہ بات بھی اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ کسی پرانے مذہب کو اب یہ اتھارٹی نہیں حاصل ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ اب بھی باقی اور زندہ ہے، اور اس کا کام اب بھی جاری ہے، کیونکہ اسلام کے آنے کے بعد کسی اور طریقے، یا زندگی کے کسی اور فلسفے کے باقی رہنے کی گنجائش ختم ہوگئی اور انسانیت (مانوتا) کی کامیابی اور زندگی کا پیغام یعنی جیون کا سندیش اب صرف مذہب اسلام ہی کے اندر رہ گیا ہے۔

اس مذہب کو اللہ تعالیٰ نے دنیا، انسان اور زندگی ہر ایک کی ضرورت اور اس کے تقاضے کے مطابق بنایا ہے، اس لئے حکم دیا ہے کہ لوگ اللہ کی عبادت یعنی (گاڈ ورشپ) کریں، دل سے اسلام کو مان کر اور تمام مذاہب اور دھرموں سے علاحدہ ہو کر صرف مذہب اسلام کو مان کر اور اس کو اختیار کر کے، نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں، یعنی اپنے مال میں

غریبوں کا حصہ مقرر کر کے ان پر خرچ کریں اور اسی کا نام ہے دین قیم، یعنی ایسا مذہب جو بالکل انسانی نیچر کے مطابق ہے اور اس میں کوئی کمی زیادتی، اور کسی قسم کا کوئی غلو نہیں ہے اور بالکل نارمل ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ سب لوگوں سے علی الاعلان یہ کہہ دیں کہ میرے رب کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ انھوں نے مجھے سیدھے راستے (Right way) کی رہنمائی کی، اور وہ سیدھا راستہ دراصل مذہب اسلام ہے، جو بہت ہی نارمل اور اعتدال پسند دین ہے، جو اللہ کے نبی حضرت ابراہیمؑ کی ملت ہے اور ان کا راستہ ہے، وہ کسی حال میں اللہ کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک یعنی پارٹنر نہیں مانتے تھے، اور تنہا ایک خدا کی عبادت کرتے تھے۔

یہ بھی ایک حقیقت (فیکٹ) ہے کہ دوسرے آسمانی مذاہب جیسے یہودیت اور نصرانیت وغیرہ اسلام کے آنے کے بعد اپنی صلاحیت کھو چکے ہیں اور ان کے اندر انسان کو اپنی تمام ضرورتوں کے پوری کرنے کے لئے سامان نہیں ہے۔ اور نہ زندگی کو خوشحالی عطا کرنے کے لئے ان کے پاس تعلیمات ہی ہیں، اس لئے جب آسمانی مذاہب اسلام کے آنے کے بعد منسوخ ہو گئے اور ان کی ضرورت ختم ہو گئی، تو کسی اور انسانی طریقے اور نظریے (ایڈیالوجی) اور کسی فلسفے کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔

اس لئے ہم کو یہ بات مان لینے کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذہب اسلام کو انسان کی زندگی کو بنانے اور اس کو اونچا اٹھانے کے لئے ایک ایسا مذہب اور طریقہ بنا کر بھیجا ہے جو ہمیشہ ہمیش قائم رہے گا اور جب تک یہ دنیا آباد رہے گی اسلام زندہ رہے گا، اسی کے جھنڈے کے نیچے ہم کو پناہ ملے گی، اسی کے سایہ تلے ہم اطمینان اور سکون کا سانس لے سکتے ہیں اور جب بھی ہم اس سے منہ موڑیں گے اور دوسری تہذیبوں اور دنیا کی چمک دمک کی طرف نظر اٹھائیں گے تو ہمارا نقصان ہوگا۔ زندگی کا سکون ختم ہو جائے گا، طرح طرح کی پریشانیاں اور مصیبتیں ہم کو ہر طرف سے گھیر لیں گی۔ جو لوگ اسلام کے طریقے سے منہ موڑ کر زندگی گزار رہے ہیں اور ان کو اسلام کی سچائی اور اس کی بڑائی پر یقین نہیں ہے وہ کس قدر پریشان ہیں، اور کیسے کیسے مسائل (پرابلمس) ان کو ہر طرف سے جکڑے ہوئے ہیں۔

اسلام کے بنیادی عقائد اور زندگی میں ان کا کردار

حضرات سامعین اور خواتین!

"فطرة الله التی فطر الناس علیها، لاتبدیل لخلق الله"

اسلام دوسرے مذاہب ونظریات کی طرح کوئی ایسا مذہب نہیں ہے، جہاں وقتی مصالح کی بنیاد پر کچھ باتیں مان لی جاتی ہوں اور زندگی پر ان کا کوئی اثر نہ ہو، جبکہ ایمان نام ہے ایمان باللہ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علم کا، فرشتوں پر ایمان ویقین، انبیاء کرام پر ایمان ویقین، تقدیروں پر پورا ایمان ویقین، تمام آسمانی کتابیں جو انبیاء کرام پر نازل ہوئیں ان پر ایمان ویقین، اللہ تعالیٰ کے احکام کو سننا اور اس پر عمل کرنا، یعنی کتاب وسنت پر پورا ایمان ویقین اور نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کی حیثیت سے ماننا اور ان کے لائے ہوئے احکام وتعلیمات پر دل سے عمل کرنا۔

یہ ایمان ویقین دراصل ایک عبد مسلم کی حیثیت کو واضح کرتا ہے، اس کے حدود واختیارات کو متعین کر کے اسے اپنے رب کے سامنے سراطاعت خم کرنے اور بندگی کا مظاہرہ کرنے پر مجبور کرتا ہے اور یہ کہ انسان اپنے رب کا خالق اور غلام اور اس کا مکمل بندہ ہے، ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح بنا کر پیش کرتا ہے، اور نبی برحق کو اپنا ہادی ورہبر مان کر ان کے لائے ہوئے احکام وتعلیمات پر عمل کرتا ہے، ان کو اپنے سینے سے لگاتا ہے اور کسی بھی مصلحت یا وقتی اور ذاتی مفاد سے اس کو کچھ تعلق نہیں ہوتا۔

ان عقائد پر ایمان ویقین کا نتیجہ ہے کہ ایک مسلمان صرف خدا کا بندہ ہوتا ہے وہ ہر طرح کی مادی منفعت اور دل کو لبھا لینے والی چیزوں اور دنیا کی آرائشوں وآسایشوں سے

منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے جان دیتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ اے محمدؐ! آپ کہہ دیجئے: "ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین ،لاشریك له وبذلك أمرت وأنا أول المسلمین۔ اسی حقیقت کو ایک مومن کو اپنی زندگی کا شعار بنالیتا ہے، یعنی مری نماز، میری عبادت واعمال اور میرا مرنا جینا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔

اسلام ایک ہمہ گیر مذہب، اور کردار سازی میں اس کا مقام

حضرات سامعین اور خواتین!

اسلام ایک ہمہ گیر مذہب ہے، وہ بیک وقت مذہب وعقیدہ اور اخلاق واعمال، سیرت وکردار سبھی کچھ ہے، وہ قول وعمل کا دین ہے، وہ دین ودنیا، کتاب وتلوار، سیف ومصحف، اور روحانیت ومادیت کا جامع ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فمن الناس من يقول ربنا آتنا فى الدنيا حسنة وماله فى الآخرة من خلاق ، ومنهم من يقول ربنا آتنا فى الدنيا حسنة وفى الآخرة حسنة وقنا عذاب النار أولئك لهم نصيب مما كسبوا والله سريع الحساب۔ (بقرہ:۲۰۰۔۲۰۲)

''بعض لوگ وہ بھی جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں ہی اچھائی عطا کردے، ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں، اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھلائی عطا فرما، اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ہے، اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔''

اسلام میں کوئی ایسی بات نہیں ہے، جس سے مترشح ہوتا ہو کہ کائنات میں پائے جانے والی طاقتوں سے اس کا تعلق نہیں ہے، چنانچہ علوم وتمدن اور صنعت وایجادات، اور کائناتی ترقیاں اور انسان کی جدوجہد کے مادی اور ظاہری نتائج سب کو اسلام کی رہنمائی اور

اس کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے، وہ ایک طرف ایمان ویقین کی طاقت کو ایک سوپر (Super) طاقت کی حیثیت سے مانتا ہے اور زندگی سے اس کا انتہائی گہرا ربط ظاہر ہوتا ہے تو دوسری طرف وہ کائنات کی باریکیوں، اور زمین وآسمان کی وسعت وگہرائی، لیل ونہار کی گردش اور زندگی پر اس کے گہرے مادی اثرات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"إن فی خلق السماوات والارض واختلاف اللیل والنهار لآیات لاولی اللباب

" یقیناً زمین وآسمان کی پیدائش اور رات و دن کے الٹ پھیر میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔" (آل عمران:۱۹۰)۔

خود یہ کائناتی نظام اور اس کی وسعتوں اور باریکیوں میں غور وخوض انسان کو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے، اس سے تعلق قائم کرنے، اور اس سے محبت کرنے پر مجبور کرتا ہے اور اس کو ایک مثالی انسان بننے کے لئے جن طریقوں کی ضرورت ہے ان کی رہنمائی کرتا ہے۔

اسلام ایک متوازن طریقۂ زندگی ہے

حضرات ناظرین اور خواتین!

اسلام ایک ایسا طریقہ زندگی ہے، جو راہ اعتدال پر قائم ہے، اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی کا امکان نہیں ہے، نہ غلو اور تشدد کی گنجائش ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "ذلك الدين القيم , ولكن اكثر الناس لا يعلمون، یعنی یہ دین الٰہی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام فطرت کے مطابق ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں کسی طرح کے تغیر وتبدل کا کسی درجہ میں کوئی امکان نہیں ہے، یہی دراصل متوازن دین ہے، لیکن اس حقیقت کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین آدمی صحابہ کرام کی جماعت سے ازواج مطہرات کے گھروں پر تشریف لائے اور انھوں نے حضور اکرم ﷺ کی عبادت کے بارے میں دریافت کیا، جب ان کو بتایا گیا کہ حضور ﷺ کی عبادت کا کیا طریقہ تھا تو انھیں محسوس ہوا کہ وہ جو تصور لیکر آئے تھے اس کے مطابق نہیں ہے ،اس سے بہت کم ہے، پھر انھوں نے کہا کہ ہمارا حضور ﷺ سے کیا جوڑ اور کیا نسبت ،ان کے سارے اگلے اور پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادئے تھے، چنانچہ ان میں سے ایک صاحب نے فرمایا کہ میں ہمیشہ پوری رات نماز پڑھا کروں گا، اور کبھی رات کو نہیں سوؤں گا، دوسرے صاحب نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا، اور کبھی بغیر روزے کے نہیں رہوں گا، تیسرے صاحب نے فرمایا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گا، یہ سن کر حضورؐ ان لوگوں کے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا آپ لوگوں نے یہ باتیں کہی ہیں؟ فرمایا کہ میں

آپ لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور خوف کھاتا ہوں، اس کے باوجود میں ہمیشہ روزہ نہیں رکھتا، ہمیشہ نماز نہیں پڑھتا، اور اپنے اہل وعیال سے پورا تعلق بھی رکھتا ہوں، پھر اعلان کیا کہ جو شخص بھی میرے طریقہ زندگی سے اپنا منہ موڑے گا، اس کا تعلق میری جماعت سے نہیں ہوسکتا۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "هلك المتنطعون، تین بار یہی فرمایا، متنطعون کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نرمی کی جگہوں پر سختی کرتے ہیں، اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ یہ دین اسلام بالکل آسان ہے اور سیدھا سادا مذہب ہے، لیکن اگر کوئی اس دین کو مشکل بنادے اور اس میں سختی کا راستہ اختیار کرے تو وہ اس کے سامنے کمزور پڑ جائے گا، اور اس کو نباہ نہیں سکے گا۔

رسول ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص بھی ہمارے اس دین میں ایسی کوئی بات پیدا کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ بات مسترد کردے جائے گی۔

خدا کی عبادت اصل مقصد ہے

حضرات سامعین اور خواتین!

انسان کی زندگی کا اصل مقصد خدا کی عبادت ہے، اس کے سامنے جھکنا، اسی کو ہر طرح کے نقصان اور فائدے کا مالک سمجھنا اور اسی کی دہائی دینا، ہماری اصلی ڈیوٹی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس فیکٹ (Fact) کو اور اس حقیقت کو خاص طور سے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے، اور بہت زور دے کر کہا ہے کہ ہم نے جن اور انسان کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے تاکہ وہ ہماری عبادت کریں، خدا کی یہ عبادت ہر مذہب میں موجود ہے، البتہ اس کا طریقہ بدلا ہوا ہے، اسلام میں عبادت کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ بہت صاف اور بالکل کھلا ہوا ہے، اور یہ ہے کہ بنیادی طور پر ہم عبادت کی مشق اور اس کی ریہرسل کرنے کے لئے دن اور رات میں پانچ بار نماز پڑھیں، اگر مالدار ہوں تو اپنے مال میں سے کچھ حصہ نکال کر غریبوں میں تقسیم کریں، اور رمضان کے مہینے میں روزہ رکھیں، یعنی صبح سے شام تک کچھ نہ کھائیں پئیں، اور اگر حج کرنے کا بندوبست اور وسعت ہو تو حج کریں اور سب سے بڑھ کر جو بنیادی بات ہے وہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائیں، اللہ تعالیٰ کو ایک باور کریں، اور اس کے رسول ﷺ کو اسلام کا آخری پیغمبر سمجھیں، اسی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دل سے دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا، اور حج کرنا، رمضان کے مہینہ کا روزہ رکھنا، قرآن کی تعلیمات میں بہت سی جگہوں میں خدا کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے، اور اس کو جیون (Life) کی کامیابی اور اس کی

پھلتا (کامیابی) کا ذریعہ بتایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! اپنے خدا کی عبادت کرو، جس نے تم کو اور تم سے پہلے کے لوگوں سبھی کو پیدا کیا ہے، تاکہ تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا ہو۔

غرض کہ عبادت ہی زندگی کا اصل مقصد ہے اور جو کام بھی ہم اچھی نیت اور اچھے ارادے سے کریں اس میں خدا کی خوشنودی کا خیال رکھیں تو وہ عبادت ہی ہے، اور اس کام کے کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اچھی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کے لئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہر جگہ کامیابی ہے۔

اچھی بات کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا

حضرات سامعین اور خواتین!

مسلمانوں کو خیر امت کا لقب دیا گیا ہے، یعنی اس کو بیسٹ آف پیپل بتایا گیا ہے، ان کو دنیا میں اس حیثیت سے اس لئے بھیجا گیا ہے، تا کہ وہ لوگوں کو اچھی بات کی طرف بلاس کیں، اور بری باتوں اور غلط کاموں سے روک سکیں، مسلمانوں کی یہ بہت بڑی ذمہ داری اور ان کی بہت بڑی ڈیوٹی ہے کہ وہ خود بھی نیک بنیں، اور دوسروں کو نیکی کے راستے کی طرف بلائیں، برائی اور زندگی کو نقصان پہنچانے والی باتوں سے روکیں، اس کام کو صحیح طریقے سے انجام دینے لئے ہم کو سب سے پہلے خود نیک بننا ہوگا، اور اپنی زندگی کے اندر اچھا نمونہ پیدا کرنا ہوگا، تا کہ اس سے دوسرے لوگ دیکھ کر متاثر ہوں اور ان پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ ایک مسلمان کی کیا شان ہوتی ہے، اور وہ اپنے سے زیادہ دوسروں کا کتنا خیال رکھتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی اچھی باتوں کو پسند کرنا اور دوسروں کو اس کی طرف بلانا، اور بری باتوں سے روکنا، اسلام کی نشانی ہے، وہ ہر مسلمان سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس نشانی کو اختیار کرے، اور اس کو اپنی ڈیوٹی سمجھے اور یہ یقین رکھے کہ وہ اس ڈیوٹی کو اگر پوری کرتا رہے گا تو انسانیت کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دے گا، اور دنیا میں امن واطمینان قائم کرنے میں بڑا رول ادا کرے گا، اور تمام انسانوں کو ایک دوسرے سے جوڑنے میں پوری طرح مددگار بن کر اور ہر طرف بھائی چارہ قائم کر کے سماج کو خوشحالی اور سکون کے راستے پر لے جائیگا، اور ایک انسان ہونے کے ناطے جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، اس کو نہایت اطمینان سے انجام دے گا۔

آپ غور کیجئے تو آج کے بگڑے ہوئے ماحول میں اس کام کی کتنی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور دنیا میں سب کچھ ہوتے ہوئے امن واطمینان کی فضا نہیں پائی جاتی۔ علم اور دولت، تمدن اور ترقی سب کچھ ہے، لیکن اگر نہیں ہے تو یہ کہ اچھی اور نیک باتوں کی طرف بلانا اور برائی سے روکنا اور غلط کاموں سے دور رہنا، یہ ایک ایسا تاریک پہلو یعنی ڈارک کارنر، ہماری زندگی کے اندر ہے کہ ہم اس پر جتنا بھی افسوس کریں کم ہے، ہمیں اس صورت حال سے نپٹنے کیلئے اپنے اندر مسلمان کی شان پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول نے فرمایا کہ تمہارا ایمان اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا جب تک کہ تمہارا پڑوسی تمہاری تکلیفوں سے محفوظ نہ رہے، اس میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ وہ پڑوسی مسلمان ہو، بلکہ وہ جو بھی ہو، مسلمان یا غیر مسلم تمہارا معاملہ اس کے ساتھ بہت بہتر ہونا چاہئے۔

اچھی باتوں کی طرف بلانا اور برائیوں سے روکنا

(۲)

حضرات سامعین اور خواتین!

آج پھر ہماری بات چیت کا موضوع وہی ہے یعنی اچھی باتوں کی طرف لوگوں کو بلانا اور بری باتوں سے روکنا، آپ غور کریں تو مذہب اسلام کی بنیاد ہی یعنی اس کی (بیس) اسی اصول پر قائم ہے، پیغمبر اسلام محمد کو دنیا میں بھیجنے کا سب سے بڑا مقصد یہی تھا، وہ بگڑے ہوئے انسانوں کو خدا کی طرف بلائیں، ان کے اندر جو خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں ان کو دور کریں، اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ انسانوں کو خدائے تعالیٰ کی نشانیاں پڑھ کر سناتے اور اس کی بڑائی کا پرچار کرتے، اور ان کے دلوں پر جو گرد و غبار کی تہ جم گئی تھی اس کو صاف کرتے اور پھر ان کو علم و حکمت سکھاتے اور زندگی کی کامیابی یعنی جیون کی سپھلتا کے لئے جو باتیں ضروری تھیں وہ ان کو بتاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا، جو ان کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھاتے اور سناتے تھے اور ان کو ہر طرح کی خرابیوں سے پاک کرتے تھے اور ان کو خدا کی کتاب اور عقل و سمجھ کی باتیں بتاتے تھے، اور اس سے پہلے وہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ یہ مضمون قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر بیان ہوا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام تمام انسانوں کو عزت و بلندی کی تعلیم دیتا ہے، اور ان کو ہرگز کسی ایسی حالت میں دیکھنا پسند نہیں کرتا جو ان کے بلند مقام سے فروتر، کمتر اور گھٹیا ہو۔

ہر زمانے میں اگر آپ جائزہ لیں تو انسان کو انسان کے بلند مرتبہ تک پہونچانے کی کوششیں جاری رہیں، اور اس کو اخلاق اور کیریکٹر کی بلند چوٹی تک لے جانے کیلئے خدا کے نیک بندے کوششیں کرتے رہے، اور اس راستے میں وہ ہر طرح کی تکلیف بھی اٹھاتے رہے، لیکن اسلام کی تمام تر توجہ اس مشن پر لگ گئی کہ وہ سماج کو اونچا اٹھانے کیلئے اور تہذیب وتمدن قائم کرنے کے لئے سب سے پہلے انسان کو اس کا مرتبہ یاد دلائے، اور دنیا میں اس کا کیا کردار ہے، اور اس کی کیا اہمیت ہے وہ اس کو باور کرائے، اس لئے کہ جب انسان اپنے صحیح مقام پر رہے گا تو وہ دنیا کو جنت کا نمونہ بنا سکتا ہے اور وہ ایسی تہذیب رائج کر سکتا ہے جس کو انسانی تہذیب سے یاد کیا جا سکے۔

اسلام خود ایک تہذیب ہے، ایک مثالی سول لائزیشن ہے، اس میں اخلاقی قدریں (Moral Values) بہت زیادہ اور بہت اچھے انداز سے پائی جاتی ہیں اور اسی کی بنیاد پر سماج بنتا ہے، اور اس سماج کے لوگ محبت و بھائی چارہ کے راستے پر چلتے ہیں، اور دنیا سے برائیوں، گناہوں اور بداخلاقیوں کا خاتمہ کرتے ہیں، اگر آپ کو کسی ایسے سماج اور سوسائٹی کا نمونہ دیکھنا ہو تو آپ اسلام کی پہلی صدیوں اور اس کی شروع کی تاریخ میں اس کو تلاش کریں، آپ دنگ رہ جائیں گے کہ اس وقت کے انسان کیسے تھے، ان کے اندر کتنی خوبیاں تھیں، وہ دوسرے کے لئے بھلائی چاہتے تھے اور خود کو بھول کر دوسرے کو ہر طرح کا فائدہ پہنچاتے تھے، ان کے نزدیک دوسروں کے لئے بھلائی چاہنا اور دوسروں کا کام کرنا زیادہ اہم تھا، حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ الدین النصیحۃ یعنی دین اسلام نام ہے خیر خواہی اور بھلائی چاہنے کا، اس کا مطلب بالکل واضح ہے۔

دعا

أشهد أن لا اله الا اللّه وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد ، يحيى ويميت ، وهو على كل شيئ قدير ،وأشهد أنّ سيدنا ونبيّنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى اللّه عليه وعلى آله وعلى جميع أصحابه وأهله وأولياء أمّته كثيراًكثيراً،

ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين ، اللهمّ لا تجعلنا من الخاسرين

ربّنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا تجعل فى قلوبنا غلا للّذين آمنوا ربنا ، إنك رؤوف رحيم. ،يا حى، يا قيو م ،برحمتك نستغيث، أصلح لنا شأننا كله ، ولا تكلنا إلى أنفسنا طرفة عين.

ربّنا لا تزع قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة إنك أنت الوهّاب ،

ربنا آتنا فى الدّنيا حسنة وفى الآخرة حسنة وقنا عذاب النار وقنا عذاب الدين،وقنا عذاب القبر وقنا عذاب الحشر ،

ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا أو أخطأنا ،ربّنا لا تحمل علينا اصراً كما حملته على الّذين من قبلنا ، ربّنا ولا تحمّلنا ما لا طاقة لنا به ، واعف عنّا واغفرلنا وارحمنا أنت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين.

ربّنا لا تدع لنا ذنباً إلا غفرته ولا همّا إلا فرّجته ولا ديناً إلا قضيته ،ربّنا لا تدع لنا دعاءً إلا استجبته ، ربّنا لا تدع لنا حاجة هی لك رضا ولنا فيها صلاح إلا قضيتها ويسّرتها ، يا رب العالمين۔

اللهم إنا نسألك الهدى والتقى والعافية والعفاف والغنى ، والرضا۔

اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہمارے اس جلسہ کے اندر جو لوگ حاضر ہوئے اور تشریف لائے اور باتیں سنیں ،اللہ تعالی انہیں جزائے خیر عطا فرما، اے اللہ! اس جلسہ کو زیادہ سے زیادہ مفید بنا، اور دور دور تک اسکا فائدہ پہنچا، اور جن لوگوں نے اسکا اہتمام کیا اور اس اصلاح معاشرہ کے جلسہ کو قائم کیا اور جو لوگ یہاں تشریف لائے اور جن لوگوں کے لانے کا اہتمام کیا گیا اللہ تعالی انہیں بھی قبول فرما، جو لوگ دین سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور جن لوگوں کے دل مسلمانوں کی زندگی اور حالات دیکھ کر تڑپ اٹھتے ہیں اللہ تعالی انہیں بھی قبول فرما اور جن لوگوں نے اس کی اچھی طرح کوشش کی اور انتظام کیا، انہیں بھی قبول فرما ،اللہ تعالی ہم سب کو دنیا میں خیر وعافیت عطا فرما اور آخرت میں جنت الفردوس کی نعمت عطا فرما۔آمین۔ربّنا تقبّل منّا إنك أنت السميع العليم وتب علينا إنك أنت التّوّاب الرحيم، صلى اللّه تعالى على خير خلقه محمّد وعلى آله وأصحابه أجمعين برحمتك يا أرحم الرّاحمين۔